تدوین قرآن

مولانا محمد احمد اعظمی مصباحی

ادارہ تصنیفات امام احمد رضا ۔ کراچی

(سلسلہ اشاعت نمبر ۱۱)

تدوین قرآن

قرآن کے جمع و ترتیب کی تاریخ، معوذتین کی قرآنیت

اختلاف قرآن کی حقیقت اور دوسرے اہم مباحث پر

علمی اور تحقیقی مقالہ

مصنف

مولانا محمد احمد اعظمی مصباحی

رکن المجمع الاسلامی۔ مبارکپور

ناشر

ادارہ تصنیفات امام احمد رضا

اخوند مسجد، کھارادر، کراچی

52500

نام کتاب ـــــــــــ تدوین قرآن

مصنف ـــــــــــ مولانا محمد احمد اعظمی مصباحی

پروف ریڈنگ ـــــــ علامہ محمد اعظم سعیدی

صفحات ـــــــــــ ۲۲۴

طباعت ـــــــــــ مشہور آفسٹ پریس

قیمت ـــــــــــ

تعداد ـــــــــــ ایک ہزار

ملنے کا پتہ

مدرسہ انوار القرآن قادریہ رضویہ

میمن مسجد، مصلح الدین گارڈن

(کھوڑی گارڈن) کراچی ۲

فون نمبر: ۷۳۵۳۲۲

ادارہ تصنیفات امام احمد رضا کراچی

عرض ناشر

ادارہ تصنیفات امام احمد رضا کو قائم ہوئے ابھی صرف پونے دو سال ہی ہوئے ہیں مگر اس قلیل عمری میں افکارِ اعلیحضرت کی اشاعت میں جو کارہائے نمایاں اس ادارے نے انجام دیئے ہیں اتنی سرعت وکثرتِ اشاعت شاید ہی کسی اور ادارے کے حصے میں آئی ہو گی اس ادارے نے اب تک درج ذیل کتب کو زیورِ اشاعت سے آراستہ کیا ہے۔

(۱) سیاہ خضاب حرام ہے :- از اعلیحضرت علیہ الرحمۃ

(۲) دعوتِ فکر :- از محمد منشا تابش قصوری

(۳) شریعت وطریقت :- از اعلیحضرت علیہ الرحمۃ

(۴) ارشادات اعلیحضرت :- از مولانا عبد المبین نعمانی

(۵) میلاد النبی :- از اعلیحضرت علیہ الرحمۃ

(۶) یٰسین شریف :- از اعلیحضرت علیہ الرحمۃ

(۷) فتاویٰ مصطفویہ :- از مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ

(۸) کنز الایمان اہلحدیث کی نظر میں۔ از محمد سعید المحدیث

(۹) فضائل قرآن :- از مولانا افتخار احمد مصباحی

(۱۰) معانقۂ عید :- از اعلیحضرت علیہ الرحمۃ

ہماری یہ دلی تمنا ہے کہ اعلیحضرت امام احمد رضا کی نادر ونایاب کتب کو دوبارہ زیور اشاعت سے آراستہ کیا جائے اور وہ کتب بھی جو کہ ابھی تک منظر عام پر نہیں آسکیں ان کی اشاعت کی جائے اس سلسلے میں ہم اپنے شریک کار اور معاونین کے بھی دل کی گہرائیوں سے ممنون ہیں اور آئندہ بھی ہم ان کے تعاون کے متمنی ہیں۔

ادارہ تصنیفات امام احمد رضا کراچی

تقدیم

علامہ مفتی خالد محمود (سرگودھا)

الحمد للہ الذی انزل علی عبدہ الکتب ولم یجعل
لہ عوجا والصلوۃ والسلام علی حبیبہ محمدؐ
المصطفٰی خیرالورٰی وعلی اٰلہ واصحابہ التقی وعلی من
تبعھم الی یوم الجزاء اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عظیم کائنات کے عظیم خدا نے اس عالم رنگ وبو میں اپنی مشیت کے مطابق نظام کائنات جاری کرنے کے لئے انسان کو اپنے خلیفہ کی حیثیت سے پیدا فرمایا پھر اس کی آسانی اور سہولت کے لئے ساری کائنات کو اس کا مطیع ومنقاد کیا۔ یہ زمین اور اس کی اتھاہ پنہائیاں۔ یہ وسیع وعریض سمندر اور اس کی ناپیدا کنار وسعتیں۔ یہ بلند وبالا پہاڑ اور ان کی بیقرار اونچائیاں۔ یہ گھنے جنگل اور ان کی پُراسرار ہیبت۔ یہ مختلف مخلوقات اور اس کے بے شمار فائدے اپنی تمام تر عظمتوں، رعنائیوں۔ دلکشیوں اور وسعتوں کے ساتھ اپنے جملہ مضمرات سمیت اس خلیفۃ اللہ حضرت انسان کی فلاح وبہبود، راحت وآرام اور سکھ چین کے لئے ہیں۔

یہ تمام رفیع المرتبت نعمتیں عطا فرما کر اور ان گنت انعامات سے نواز

کرانسان کو لاوارث نہیں چھوڑا۔ اسے اس کے حال پر مگن نہیں رہنے دیا۔ بلکہ اسے انسانیت کے غایت درجہ ارفع مقام تک پہنچانے کے انتظامات کئے۔ اور اس مقصد کے لئے قریہ قریہ بستی بستی انبیاء کرام علیہم السلام کو مبعوث فرمایا حیات انسانی کے لئے منشور کے طور پر انہیں اپنی جناب سے کتب اور صحائف عطا کئے۔ لیکن یہ صحائف وکتب مخصوص و محدود تھیں۔ اور مرور زمانہ سے اپنی اصلی اور حقیقی ہیئت بھی کھو بیٹھی تھیں۔ بالآخر رحمٰن و رحیم خدا نے حضور اکرم نور مجسم رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین کا سنہری تاج پہنا کر تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا اور انسانیت کی رہبری و رہنمائی کے لئے آپ کے قلب اطہر و اقدس پر قرآن مجید فرقان حمید کو نازل فرمایا۔ وہی قرآن مجید جو سرچشمۂ ہدایت آخری ضابطۂ حیات اور ابدی منبع تعلیمات کے طور پر رہتی دنیا تک اپنی تابندہ کرنوں سے عالم انسانیت کے گوشے گوشے کو منور کرتا رہے گا۔ وہی فرقان حمید جو عظمت کا مینار عظیم علم و حکمت کا گنجینۂ کبیر فہم و فراست کا ماہ درخشاں۔ اور علم و ہدایت کا نیر تاباں ہے جس کا تعارف خود نازل فرمانے والا علیم و قدیر اللہ جل جلالہٗ ان الفاظ میں کراتا ہے ذٰلک الکتاب لا ریب فیہ۔ یہ وہ ذی شان کتاب ہے جس کی حقانیت میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔

اس دور پرفتن میں مسلمانوں کا اپنے دین اور اس کی تعلیمات کے ساتھ برائے نام تعلق رہ گیا ہے۔ مغرب پرستی کا تصور جو انگریزی استعماری عہد میں پیدا ہوا تھا۔ اس کے اثرات ہنوز موجود ہیں چنانچہ ہر مسئلہ میں، ہر معاملہ میں مغرب کی تقلید کی جاتی ہے حتیٰ کہ اسلام کے مطالعہ کے لئے بھی انہی متعصب مستشرقین کی لکھی ہوئی کتابوں پر اعتماد کیا جاتا ہے۔ اور انہی کے حوالے سے دین کی بات کی جاتی ہے۔

حالانکہ ان کی کوشش یہی ہوتی ہے کہ چند باتیں صحیح کرکے تھوڑا بہت اعتماد پیدا کرنے کے بعد مسلمانوں میں ان کے دین کے بارے میں عقلی شبہات پیدا کئے جائیں۔ اور ان کے اذہان میں راسخ کردیا جائے کہ یہ دین اصول فطرت کے منافی اور غیر سماوی دین ہے۔ اس طرح مسلمان اپنے آپ کو مسلمان کہلوانے کے باوجود اسلام سے کوسوں دور رہیں گے۔ اور دین حنیف سے اپنے اس بُعد کے عالم میں وہ ہمیشہ مغلوب ہی رہیں گے۔ ان کے غلبہ اور ترقی و تعمیر کا تصوّر تک بھی نہیں کیا جا سکتا۔

مولانا محمد احمد اعظمی صاحب دامت برکاتہم العالیہ نے یہی محسوس فرما کر اس دین حنیف کی تحریری و تقریری خدمت کا بیڑہ اٹھایا۔ اور اس میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ ان کی دینی خدمت کو صرف ہند و پاک میں ہی نہیں بلکہ پوری دنیا کے مسلمانوں میں نہایت وقعت اور محبت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ مخدومی و مکرمی حضرت مولانا صاحب کا اس نسل پر یہ احسانِ عظیم ہے۔ کہ تدوین قرآن کے نام سے ایک بلند پایہ تحقیقی تصنیف فرما کر تدوین قرآن کے بارے میں دشمنانِ اسلام کے پھیلائے ہوئے باطل نظریات کی نہ صرف قلعی کھول کر رکھ دی بلکہ ساتھ ساتھ ایسے دلائل قاطعہ بھی رقم فرمائے جن سے مسلمانوں کے ایمان و ایقان میں ایک پُر کیف تازگی بلکہ نئی زندگی آجاتی ہے۔

ادارہ تصنیفات امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ کے اراکین قابل صد مبارک ہیں کہ انہوں نے حضرت محمد احمد اعظمی صاحب کی اس عظیم تصنیف کو پاکستان کے طول و عرض میں پھیلانے کا بیڑہ اٹھا کر مسلمانانِ پاکستان پر احسانِ عظیم فرمایا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ حضرت مصنف اور اراکینِ ادارہ کو جزائے خیر سے نوازے ان کی ان مساعی جمیلہ کو مشکور و مقبول فرمائے اور جملہ اہلِ اسلام کو اس کتاب کے نفع عمیم سے حظ وافر عطا فرمائے۔ آمین یارب العلمین!

فہرست تدوین قرآن

مضمون	صفحہ
حرف آغاز	۹
نزول قرآن	۱۴
حکمت تنزیل	۱۶
حفاظت قرآن	۲۱
حفظ قرآن کی اہمیت	۲۲
قرآن کے عدم تواتر کا الزام	۲۷
چند حفاظ صحابہ کے اسماء	۳۷
قرآن کی کتابت اور تدوین اول	۳۹
کاتبان بارگاہ رسالت	۴۳
کتابت وحی	۵۸
اشیاء کتابت	۶۱
عہد رسالت میں کتابۃ قرآن کیوں نہ ہوئی؟	۶۳
ترتیب نزول ترتیب قرأت سے جدا کیوں؟	۶۴
قرآن کی تدوین ثانی اور عہد صدیقی کی قرآنی خدمت	۶۷
تدوین ثانی کے خصائص	۷۱
آخر براءت کی دو آیتیں	۷۳
کیا تدوین ثانی بدعت ہے؟	۷۹
عہد عثمانی اور قرآن کی تدوین ثالث	۸۲
اختلافات لغات	۸۲
تدوین ثالث کے اسباب ومحرکات	۹۰
تدوین ثالث کی کیفیت	۹۲
تعداد مصاحف	۹۶
آیت احزاب	۹۷
احراق مصاحف کی روایات	۱۰۷
جواز احراق	۱۱۰
حضرت علی مرتضی کی تائید	۱۱۲
ترتیب آیات وسور	۱۱۴
ترتیب آیات توقیفی ہے	۱۱۴
نصوص	۱۱۴
اجماع	۱۱۷
سورتوں کی ترتیب بھی توفیقی ہے	۱۱۹
دلائل	۱۱۹
حضرت عثمان کا لقب جامع قرآن کیوں؟	۱۳۳
اعراب قرآن	۱۳۵

مضمون	صفحہ
قرآن کی آیات، سورتوں اور کلمات و حروف کی تعداد	۱۳۷
فاتحہ الکتاب	۱۳۹
معوذتین کی قرآنیت	۱۴۲
اقوالِ علماء	۱۴۴
قول اول	۱۴۴
تائیدات	۱۴۴
قولِ ثانی	۱۵۲
قولِ ثالث	۱۵۵
قول ثانی و ثالث میں تطبیق	۱۵۶
قول اول پر تنقید	۱۶۰
روایاتِ انکار کی تنقیح	۱۶۳
طریقۂ اول	۱۶۵
طریقہ دوم	۱۶۸
دعائے خلع و دعائے حفد	۱۶۹
ان دعاؤں کے لکھنے کا سبب	۱۷۱
اختلاف قراءت	۱۷۳
آئمۂ قرائت	۱۷۴
صحابہ	۱۷۴
تابعین	۱۷۵
قراءتِ سبعہ	۱۷۶
قراءتِ (ثلاثہ) عشرہ	۱۷۷
قراء عشرہ کے مختصر حالات	۱۷۷
اربابِ تصنیف	۱۸۸
نقشۂ اختلافِ قرأت سورۂ نور	۱۹۰
فوائد اختلاف	۱۹۸
قراءت سبعہ پر اقتصار کیوں؟	۲۰۱
قراءتوں کا معیار قبول	۲۰۴
اقسام قراءت	۲۰۵
شیعہ اور قرآن	۲۰۷
ان کی باتیں	۲۰۷
تنقیدی جائزہ	۲۰۹
ایک شیعی مفسر کا فیصلہ کن بیان	
مآخذ	۲۱۹

حرفِ آغاز

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
حَامِدًا وَّمُصَلِّیًا

قرآن دین اسلام کا سرچشمہ، رشد و ہدایت کا منبع، دعوت وارشاد کا مصدر، علم و عرفان کا خزانہ، اور اپنے بے شمار کمالات و محاسن کے ساتھ پوری دنیا ئے باطل کے لیے چیلنج ہے۔ اسی لیے جہاں اہلِ اسلام نے قرآن اور علوم قرآن کی خدمت میں بے مثال کارنامے انجام دیے وہیں اعداء اسلام اور مخالفین قرآن نے بھی اس لافانی کتاب اور ازلی نور ہدایت سے کسبِ فیض و رشد کے بجائے اس کی تنقیص، اس پر بے جا اعتراضات، اور اس کے اندر بے محل شک آفرینی میں اپنی آخری صلاحیتیں صرف کر دیں — مگر زمانۂ نزول سے لیکر آج تک اس طرح کی ہر کوشش ناکام ہی رہی اور مخالفین اسلام کے مفسدانہ خواب کبھی بھی شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکے۔ نہ ہی آئندہ کبھی ہو سکتے ہیں۔ اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ ۝

لیکن آپ ذرا ان کی جسارت تو دیکھیں کسی نے یہ الزام لگایا کہ قرآن و انجیل دونوں کا معاملہ اس لحاظ سے یکساں ہے کہ دونوں کو بعد کے لوگوں نے جمع کیا۔ قرآن بھی عہد رسالت میں یکجا نہ ہوا بلکہ عہدِ صدیقی میں اس کی تدوین ہوئی۔ کسی نے کہا قرآن عہد رسالت سے بتواتر منقول نہیں کیونکہ زمانۂ رسالت میں

کل چار حفاظ تھے جن سے تواتر نہیں ہوسکتا۔ کسی نے کہا عہد صدیقی میں ایک آیت قید تحریر میں نہ آئی اور عہد عثمانی میں لکھی گئی، اس لیے ممکن ہے کہ عہد عثمانی کی تدوین میں بھی کوئی آیت چھوٹ گئی ہو، کسی نے کہا قرآن سات لغات میں نازل ہوا تھا اب صرف ایک لغت قریش میں ہے لہٰذا اس کا اکثر حصہ معاذ اللہ ضائع ہوگیا یا کر دیا گیا۔ کسی نے کہا معوذتین کی قرآنیت اجماعی وقطعی نہیں۔ کسی نے کہا قرآن سے بعض سورتیں حذف کر دی گئی ہیں، بعض مختصر کر دی گئی ہیں، اس لیے اس کا تام و کامل ہونا یقینی نہیں جیسا کہ خود مسلمانوں کا ایک گروہ شیعہ اسے کامل وقطعی نہیں مانتا۔ کسی نے کہا مصاحف اُبی وعلی وابن مسعود کی ترتیبیں موجودہ مُصحَف سے مختلف تھیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ موجودہ ترتیب اجماعی ویقینی نہیں۔ کسی نے کہا قرآن میں اب بھی بہت سا اختلاف پایا جاتا ہے کیونکہ اس کی سات قراءتیں ہیں جن کے درمیان بہت سے الفاظ وحروف کا واضح فرق موجود ہے۔

مخالفین کو یہ اعتراضات آسانی سے نہیں مل گئے بلکہ یہ شکوک وشبہات پیدا کرنے کے لیے انہوں نے پہلے پورے قرآن کا مطالعہ کیا۔ وہاں انہیں ناکامی ہوئی تو حدیث وتاریخ کی کتابیں دیکھیں، مشرقی علوم کھنگالے جب کہیں ان کو اِدھر اُدھر سے کچھ گوشے گوشے ملے جن کو انہوں نے زبردست اعتراضات بنا کر پیش کیا اور زبان وقلم کی بھرپور طاقت کے ساتھ پھیلایا۔

اس سے آپ اندازہ لگائیں کہ اہل باطل اپنے قرآن دشمن عزائم کی تکمیل سے کتنی لگن رکھتے ہیں۔ اور اس مقدس کتاب کا لافانی اعتماد مجروح کرنے کی خاطر کتنی کوششیں صرف کر رہے ہیں۔

جب کوئی گمراہی زبان وقلم، دولت وحکومت اور پریس کی وسیع قوت کے ساتھ پھیلائی جائے تو اس کا سدِ باب بھی ناگزیر ہو جاتا ہے۔

اسی لیے اہل باطل کے دیگر الزامات کی طرح قرآن پر بھی جب ان کا کوئی الزام عائد نہ ہوا تو علماء اسلام نے اس کا دندان شکن جواب دیا یہاں تک کہ احمد بن مصطفیٰ طاشکبری زادہ (م ۹۶۴ھ) نے مفتاح السعادہ میں "علم دفع المطاعن عن القرآن" کو ایک مستقل فن کی حیثیت سے شمار کرایا ہے ـــــ جب تدوین قرآن کے موضوع پر مجھے کام کرنا پڑا تو مذکورہ اعتراضات کے پیش نظر (جن میں کچھ پرانے اور کچھ نئے ہیں) حفاظت قرآن اور علوم قرآن سے متعلق علماء اسلام کی تحریر کردہ قدیم وجدید کتابوں کی ضرورت محسوس ہوئی، مگر بدقسمتی سے ان میں سے بیشتر کتابیں میری دسترس سے باہر رہیں، نہ تو میرے پاس کوئی عظیم کتب خانہ ہے جس میں ہر قسم کی قدیم وجدید کتابوں کا معتدبہ ذخیرہ موجود ہو، نہ اتنا سرمایہ کہ ملک و بیرون ملک کی لائبریریوں میں جا کر خاطر خواہ استفادہ کر سکوں۔

اس لیے میں نے زیر نظر کتاب کی ترتیب میں زیادہ تر قرآن، تفسیر، حدیث، شروح حدیث اور دوسری کتابوں کو ماخذ بنایا جو اصل ماخذ کی حیثیت رکھتی ہیں خصوصاً علامہ جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر سیوطی (م ۹۱۱ھ) کی کتاب "الاتقان فی علوم القرآن" سے بہت زیادہ مدد لی کیونکہ یہ بہت سی قدیم تصنیفات کا نچوڑ، ہزار ہا ہزار صفحات پر بکھری ہوئی نادر تحقیقات کا خلاصہ، اور بعد کے اکابر علماء کا قابل اعتماد مرجع ہے ـــــ میں نے تقریباً ہر مقام پر اپنے ماخذ کا حوالہ دیدیا ہے اور قطعاً اس کی کوشش نہیں کی ہے کہ دوسرے کی تحقیق اپنی بنا کر پیش کر دں۔ البتہ میں نے جہاں کوئی اپنی رائے یا تحقیق پیش کی ہے اسے صاف لفظوں میں واضح کر دیا ہے تاکہ بالفرض اگر کوئی غلطی ہو تو ناقدین کا ہدف ملامت خود بنوں نہ کہ اسلام کے مقدس علماء۔

اس کا ذکر بھی ضروری ہے کہ تدوین قرآن کے موضوع پر میں نے موجودہ دور کی چار پانچ اردو کتابیں بھی دیکھیں، دو تو بالاستیعاب پڑھیں، باقی صرف جستہ جستہ

مقامات سے دیکھ سکا۔ اس میں شبہ نہیں کہ طرز تحریر اور دل نشین اسلوب کے اعتبار سے وہ کامیاب کتابیں ہیں۔ ان میں کچھ نئی معلومات بھی ہیں۔ بہت سی پرانی تحقیقات بھی۔ جن میں سے بعض اپنے انداز میں ڈھال کر اور اپنی بنا کر بھی پیش کی گئی ہیں۔ مگر خاصی مقدار میں غلطیاں اور غلط فہمیاں بھی ہیں۔ جن سے اندازہ ہوا کہ یہ کتابیں یا تو پوری دیدہ وری اور چھان بین سے نہیں لکھی گئی ہیں یا پھر پہلے کسی ایک نے غلطی کی اور بعد والوں نے اس کی تقلید کر لی ___ اگر وہ کتابیں دوران تحریر میرے پیش نظر ہوتیں تو اس کتاب میں حسب موقع ان پر تنقید بھی لکھتا جاتا تاکہ ان کے مطالعہ سے جو غلط خیالات بعض ذہنوں میں ہوں وہ دور ہو سکیں۔ مگر افسوس کہ میں انہیں حاصل کرنے میں ناکام رہا۔ پھر اصل مقصود اپنے موضوع کی تکمیل تھی۔ گزشتہ کتابوں پر تنقید ایک ذیلی کام تھا جو ہو جاتا تو بہتر تھا، نہیں ہوا تو اس کے بغیر میرا موضوع تشنہ نہیں کہا جا سکتا۔ پھر استحضار و بصیرت، اور قوت موازنہ و فیصلہ رکھنے والے قارئین میری تنقید کے بغیر بھی مقام صحت و سُقم کی تعیین کر سکتے ہیں۔

میں نے اپنی کتاب میں دو باتیں خاص طور سے ملحوظ رکھی ہیں۔

(۱) ابتدائے نزول سے لے کر انتہائے تدوین تک کی پوری کیفیت کا ذکر اور تاریخ تدوین کا تفصیلی بیان" تائید ربانی کے تحت حفاظت قرآن اور تدوین قرآن کے سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی مساعی جمیلہ اور ان کے عظیم حزم و احتیاط کا تذکرہ تاکہ بآسانی اس بات کا راسخ یقین ہو سکے کہ بلاشبہ قرآن حکیم حذف و اضافہ اور تغیر و تبدل سے محفوظ، شکوک و شبہات سے بالاتر اور اپنی پوری ترتیب کے ساتھ بالکل قطعی و یقینی ہے۔

(۲) مخالفین اسلام کے الزامات کا پوری متانت و سنجیدگی کے ساتھ تحقیقی جواب۔

جواب کے لیے میں نے کوئی باضابطہ سرخی یا خاص اسلوب اختیار نہیں کیا ہے بلکہ اسے قارئین کے فہم پر چھوڑ رکھا ہے۔ وہ بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں کہ اس کتاب میں مخالفین کے تمام اعتراضات کا تحقیقی جواب دے دیا گیا ہے۔

ان ہی دو باتوں کے ذیل میں بہت سے علمی و تاریخی افادات کو بھی جگہ دی گئی ہے، اشاعتِ علم تو اپنا خاص مشن ہی ہے۔ میں اپنے مقصد اور موضوع کی تکمیل میں کہاں تک کامیاب رہا؛ اگرچہ مجھے یک گونہ اطمینان ہے مگر اس کا فیصلہ بالغ نظر، حق گو، انصاف پسند اور کشادہ دل ناقدین کے ہاتھوں ہے۔

میں اپنی اس قلمی کاوش میں خاص طور سے اپنے احباب گرامی مولانا عبدالمبین نعمانی، مولانا افتخار احمد قادری اور مولانا یٰسین اختر اعظمی ارکان المجمع الاسلامی کا شکر گزار ہوں جن کی تحریک، اصرار، اور تعاون سے یہ کتاب منظر عام پر آئی۔ ان اساتذہ اور والدین کا بھی، جن کا احسان تعلیم و تربیت میری ہر دینی و علمی خدمت کا سنگِ بنیاد ہے۔ ان اشخاص اور کتب خانوں کا بھی، جن کے ذریعہ مجھے کوئی کتاب حاصل ہوئی۔ ان رفقاء اور طلبہ کا بھی جو اس کتاب کی نقل و تبییض، تصحیح، طباعت، اشاعت وغیرہ بہت سے کاموں میں میرے معاون و مددگار ہوئے، ان کی فہرست بہت طویل ہے، اور ہر ایک کو میری نظر میں کوئی خصوصیت حاصل ہے، قلت صفحات کے باعث ان کے نام شامل نہ ہو سکے، اور درحقیقت ان کے اخلاص عمل کا جو اجر خداوند کریم کے یہاں ہے وہ میرے ذکر و تشکر سے کہیں زیادہ عظیم و جلیل ہے۔

دعا ہے کہ مولیٰ تعالیٰ ہم میں سے ہر ایک کی خدمات کو شرف قبول بخشے۔ سب کو اپنے بے پایاں فضل و کرم سے نوازے اور حسن خاتمہ نصیب کرے۔ وافضل الصلوٰۃ واکرم التحیۃ علیٰ حبیبہ خیر البریۃ وعلیٰ اٰلہ وصحبہ واولیاء امتہ وعلماء ملتہ وشھداء محبتہ اولی الفضل والفیض والنفوس الزکیۃ والخصائل النقیۃ۔

محمد احمد الاعظمی المصباحی
فیض العلوم۔ جمعہ ۲۱/۳/۱۹۸۰ء ۔ ۴/۵/۱۴۰۰ھ
المجمع الاسلامی۔ مبارکپور۔ ضلع اعظم گڑھ، ہند

نزول قرآن

جمہور مفسرین اور تمام ارباب تحقیق اس بات پر متفق نظر آتے ہیں کہ قرآن کریم ماہ رمضان اور شب قدر میں یکبارگی لوح محفوظ سے آسمان دنیا کی طرف اتارا گیا۔ اسی کی تائید قرآن مجید اور صریح و صحیح احادیث سے ہوتی ہے قرآن خود بیان فرماتا ہے۔

شہر رمضان الذی انزل فیہ القرآن (بقرہ پ۲ ع ۷)	رمضان کا مہینہ جس میں قرآن اتارا گیا۔
انا انزلناہ فی لیلۃ القدر (قدر پ۳۰)	بلاشبہ ہم نے اسے قدر کی رات میں اتارا۔

مسند امام احمد اور شعب الایمان بیہقی میں واثلہ بن اسقع سے روایت ہے۔

ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال انزلت التوراۃ لست مضین من رمضان والانجیل لثلاث عشرۃ خلت منہ والزبور لثمانی عشرۃ خلت منہ والقرآن لاربع وعشرین خلت من شہر رمضان۔	نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، توریت کا نزول ۶ر رمضان کو اور انجیل کا ۱۳ر رمضان کو اور زبور کا ۱۸ر کو اور قران کا ۲۴ر رمضان کو ہوا۔ (یہ بھی ترجمہ ہوسکتا ہے کہ ۲۴ گذر کر پچیسویں شب کو نزول قرآن ہوا۔)

فتح الباری لابن حجر العسقلانی ص ۳ ج ۹)

ابو عبداللہ حاکم، مستدرک میں بطریق منصور عن سعید بن جبیر، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی ہیں۔

انزل القرآن جملۃ واحدۃ فی لیلۃ القدر الی السماء الدنیا وکان بموقع النجوم	شب قدر میں قرآن کریم یکبارگی آسمان دنیا کی طرف اتارا گیا اور ستاروں کے غروب کی جگہ

وکان اللہ ینزلہ علی رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم بعضہ فی اثر بعض (مستدرک حاکم ج۲ ۲۲۲)

رہا۔ پھر اللہ تعالیٰ، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر یکے بعد دیگرے تھوڑا تھوڑا نازل فرماتا رہا۔

یہ حدیث امام بیہقی وغیرہ نے بھی روایت کی ہے۔ (اتقان صہ ۳۹ ج ۱)

حضرت ابن عباس ہی سے بطریق داؤد بن ہند، عکرمہ راوی ہیں۔

قال انزل القرآن جملۃ واحدۃ الی السماء الدنیا فی لیلۃ القدر ثم انزل بعد ذالک بعشرین سنۃ۔ (مستدرک ج۲ صہ ۲۲۲ نسائی بیہقی کما فی الفتح ج۹ صہ ۳ والاتقان ج ۱ صہ ۴۰)

فرمایا۔ قرآن یک بارگی شب قدر میں آسمان دنیا کی طرف اتارا گیا۔ پھر اس کے بعد بیس برس تک نازل ہوتا رہا[1]۔

---

[1] رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر نزول وحی کی ابتداء چالیس سال کی عمر میں ہوئی۔ اس کے ساتھ جب اس حدیث کو ملا لیں کہ بعد بعثت بیس سال رہے جیسا کہ ایک دوسری حدیث میں بھی ہے لبث النبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم بمکۃ عشر سنین، ینزل علیہ القرآن وبالمدینۃ عشر سنین۔ تو عمر شریف کل ساٹھ برس ہوتی ہے مگر دوسری روایات سے ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عمر مقدس تریسٹھ ۶۳ سال ہوئی۔ لہٰذا تطبیق کے لیے یہ کہا جائے گا کہ راوی نے تیرہ کے بجائے دس بیان کیا اور کسر چھوڑ دی اس طرح بعض رواۃ نے صرف ساٹھ بیان کیا اور کسر چھوڑ دی۔ کسر چھوڑنے کا قطعی فیصلہ اس لیے ہے کہ جن لوگوں نے ساٹھ ۶۰ یا تریسٹھ ۶۳ سے زیادہ کی روایت کی ہے خود ان ہی لوگوں سے تریسٹھ کی روایت آئی ہے۔ اس لیے معتمد یہی ہے کہ عمر شریف تریسٹھ ۶۳ سال ہوئی۔ جن روایات میں کم کا ذکر ہے ان میں کسر ترک کر دی گئی جن میں زیادہ کا ذکر ہے ان میں مہینوں کی کسر پوری کر کے پورا سال شمار کر لیا گیا۔ (فتح الباری ج ۹ صہ ۳)

ایک دوسری روایت میں ہے۔

عن سعید بن جبیر عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال فصل القرآن من الذکر فوضع فی بیت العزت فی السماء الدنیا فجعل جبریل ینزلہ علی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ویرتلہ ترتیلا۔	سعید ابن جبیر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی ہیں۔ انہوں نے فرمایا، قرآن ذکر سے جدا کر کے آسمان دنیا میں "بیت عزت" کے اندر رکھا رہا۔ پھر جبریل اسے لے کر نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس آتے۔ اور ٹھہر ٹھہر کر پڑھتے رہے۔
(مستدرک ج ۲ ص ۲۲۳۔ ابن ابی شیبہ بحوالہ اتقان ج ۱ ص ۴۰ وفتح الباری ج ۹ ص ۳)	

ان تمام حدیثوں کی سندیں صحیح ہیں، علامہ ابن حجر فرماتے ہیں۔

وھذا کلہ مطابق لقولہ تعالیٰ شھر رمضان الذی انزل فیہ القرآن ولقولہ تعالیٰ: انا انزلناہ فی لیلۃ القدر فیحتمل ان تکون لیلۃ القدر فی تلک السنۃ تلک اللیلہ فانزل فیھا جملۃ الی السماء الدنیا	یہ سب اللہ تعالیٰ کے ارشاد۔ ماہ رمضان جس میں قرآن اتارا گیا، اور اس کے فرمان "بے شک ہم نے اسے شب قدر میں اتارا" کے مطابق ہے۔ ہوسکتا ہے اس سال شب قدر وہی رات رہی ہو تو اس میں پورا قرآن آسمان دنیا کی طرف اتارا گیا۔
(فتح الباری ج ۹ ص ۳)	

حکمت تنزیل[1] ان آیات واحادیث سے معلوم ہوا کہ قرآن لوح محفوظ سے یکبارگی، رمضان کے مہینے، قدر کی رات میں آسمان

---

[1] تنزیل۔ بار بار کر کے اتارنا، انزال، یکبارگی اتارنا۔ ۱۲

دنیا کی طرف اتارا گیا۔ پھر وہاں سے تھوڑا تھوڑا تئیس ۲۳ سال کی مدت میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر نازل ہوتا رہا۔ اس طریقۂ تنزیل کی حکمت خود قرآن کریم نے بیان فرمائی ہے۔

وقال الذین کفروا لولا انزل علیہ القرآن جملۃ واحدۃ کذالک لنثبت بہ فؤادك ورتلناہ ترتیلا ولا یاتونك بمثل الا جئناك بالحق واحسن تفسیرا۔

(فرقان پ ۱۹ ع ۱)

کافر بولے۔ ان پر قرآن ایک ساتھ کیوں نہ اترا۔ ہم نے یوں ہی بتدریج اسے اتارا ہے تاکہ اس سے تمہارا دل مضبوط کریں اور ہم نے اسے ٹھہر ٹھہر کر پڑھا اور وہ کوئی کہاوت تمہارے پاس نہ لائیں گے مگر ہم حق اور اس سے بہتر بیان لے آئیں گے۔

دوسری آیت میں ہے۔

وقرآنا فرقناہ لتقرأہ علی الناس علی مکث ونزلناہ تنزیلا

(بنی اسرائیل پ۱۵ ع ۱۲)

اور قرآن ہم نے جدا جدا کر کے اتارا تاکہ تم اسے لوگوں پر ٹھہر ٹھہر کر پڑھو۔ اور ہم نے اسے بتدریج رہ رہ کر اتارا۔

حضرت عکرمہ سے حاکم، نسائی اور بیہقی کی جو روایت گذری اس کے آخر میں ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے یہ الفاظ مزید روایت کئے ہیں۔

فکان المشرکون اذا احدثوا شیئًا احدث اللہ لھم جوابا۔

(اتقان ج ۱ ص ۴۱)

تو مشرکین جب کوئی نئی بات نکالتے اللہ تعالیٰ ان کا جواب ظاہر فرماتا۔

المرشد الوجیز فیما یتعلق بالقرآن العزیز میں ابوشامہ بیان فرماتے ہیں۔

السر في انزاله جملة الى السماء تفخيم امره وامر من نزل عليه وذالك باعلام سكان السموات السبع ان هذا آخر الكتب المنزلة على خاتم الرسل لاشرف الامم قد قربناه اليهم لننزله عليهم ــــ ولولا ان الحكمة الالهية اقتضت وصوله اليهم منجما بحسب الوقائع لهبط به الى الارض جملة كسائر الكتب المنزلة قبله ولكن الله باين بينه وبينها، فجعل له الامرين انزاله جملة ثم انزاله مفرقا تشريفا للمنزل عليه۔

(اتقان ج۱ ص۴۰)

اسے یک بارگی آسمان کی طرف نازل فرمانے میں حکمت یہ ہے کہ قرآن اور اس ذات کی عظمت کا اظہار ہو جس پر قرآن نازل ہوا۔ وہ اس طرح کہ ساتوں آسمانوں کے رہنے والوں کو پہلے ہی خبردار کر دیا جائے کہ یہ آخری کتاب ہے جو آخری پیغمبر پر سب سے بہتر امت کے لئے نازل ہونے والی ہے ہم نے اسے ان کے قریب کر دیا ہے تاکہ ان پر اسے بتدریج نازل فرمائیں۔ اور اگر حکمت الٰہیہ کا تقاضا یہ نہ ہوتا کہ بلحاظ واقعات حوادث تھوڑی تھوڑی ان تک پہنچے تو اس سے پہلے نازل شدہ دیگر کتابوں کی طرح یہ بھی یک بارگی اتاری جاتی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس آخری کتاب اور دوسری آسمانی کتابوں کا معاملہ جدا رکھا ہے دونوں طرز بخشے یکبارگی نزول پھر جدا جدا نزول۔ تاکہ اس ذات کا شرف ظاہر ہو جس پر اس کا نزول ہوا۔

مزید فرماتے ہیں۔

فان الوحي اذا كان يتجدد في كل

کیونکہ ہر واقعہ میں جب وحی کا تازہ نزول ہوتا

حادثة كان اقوى بالقلب واشد عناية بالمرسل اليه ويستلزم ذلك كثرة نزول الملك اليه وتجدد العهد به، وبما معه من الرسالة الواردة من ذلك الجناب العزيز، فيحدث له السرور ما تقصر عنه العبارة ولهذا كان اجود ما يكون فى رمضان لكثرة لقياه جبريل۔

(ایضا)

. . . .

. . . .

. . . .

رہے گا تو قلب مبارک کی زیادہ تقویت کا سبب، اور مہبط وحی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات گرامی کے ساتھ ربانی عنایت و اہتمام مزید کا ظہور ہوگا۔ جس کے نتیجے میں لازمی طور پر ان کے پاس فرشتے کا نزول زیادہ ہوگا۔ اور اس کے ساتھ انکا تعلق تازہ ہوتا رہے گا اسی طرح اس پیغام کے ساتھ بھی۔ جو بارگاہ عزیز سے آرہا ہے۔ پھر اس سے وہ کیف وسرور پیدا ہوگا جس کے بیان سے عبارت قاصر ہے۔ جبھی تو جناب رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان سخاوت دیگر ایام سے زیادہ نمایاں رمضان میں ہوتی کیونکہ فرشتۂ یزدانی جبریل امین سے ملاقات زیادہ ہوتی۔

ان بیانات سے معلوم ہوا کہ قرآن تھوڑا تھوڑا نازل فرمانے میں چند حکمتیں تھیں۔

(۱) مہبط وحی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قلب مبارک کی تسکین وتقویت کا سبب ہو۔ اور کفار ومشرکین کی اذیتوں کے مقابلہ میں لطف کریم سے تسلی ملتی رہے۔ اور انہیں ہر اذیت پر خدا کی طرف سے صبر کی تلقین ہوتی رہے۔

(۲) کبھی یوں کہ بار رسالت اٹھانے والوں کو ہمیشہ ان سختیوں سے دوچار ہونا پڑا ہے۔ انہوں نے صبر سے کام لیا۔ تم بھی صبر سے کام لو۔

ولقد كذبت رسل من قبلك فصبروا على ما كذبوا (انعام پ ٧ ع ۴)

اور تم سے پہلے رسول جھٹلائے گئے تو انہوں نے صبر کیا اس جھٹلانے پر۔

فاصبر كما صبر اولوا العزم من الرسل (احقاف پ ٢٦ ع ۴)

تو تم صبر کرو جیسا ہمت والے رسولوں نے صبر کیا۔

وكلا نقص عليك من انباء الرسل ما نثبت به فوادك (ہود پ ١٢ ع ١٠)

اور سب کچھ ہم تمہیں رسولوں کی خبر سناتے ہیں جس سے تمہارا دل ٹھہرائیں۔

(ب) کبھی یوں کہ ان کو بھی صبر کا حکم دیا جاتا رہا ہے۔

واصبر لحكم ربك فانك باعيننا (طور پ ٢٧ ع ۴)

اور اے محبوب تم اپنے رب کے حکم پر ٹھہرے رہو بیشک تم ہماری نگاہ داشت میں ہو۔

(ج) کبھی یوں کہ رسولوں کو ہمیشہ فتح و نصرت ملتی رہی تمہیں بھی غلبہ اور فتح ہی حاصل ہو گی

ولقد سبقت كلمتنا لعبادنا المرسلين انهم لهم المنصورون. وان جندنا لهم الغلبون. (صفت پ ٢٣ ع ٩)

اور بے شک ہمارا کلام گزر چکا ہے ہمارے بھیجے ہوئے بندوں کے لئے کہ بے شک ان ہی کی مدد ہو گی۔ اور بے شک ہمارا ہی لشکر غالب آئے گا۔

(د) کبھی یوں کہ پہلے ہی بتا دیا جاتا کہ تمہارے اعدا کو شکست ہوگی۔ وہ خائب و خاسر ہونگے۔

سيهزم الجمع ويولون الدبر (قمر پ ٢٧ ع ١٠)

اب بھگائی جاتی ہے یہ جماعت اور وہ پیٹھیں پھیر دیں گے۔

قل للذين كفروا ستغلبون وتحشرون الى جهنم وبئس المهاد

فرما دو کافروں سے کوئی دم جاتا ہے تم مغلوب ہوگے اور دوزخ کی طرف ہانکے جاؤ گے

اور وہ بہت ہی برا بچھونا۔ (آل عمران پ۴ ع ۱۰)

(۲) باربار نزول سے خدا کے اعزاز اور عنایات کا ظہور ہوتا رہے۔ وصول آیات او فرشتہ یزدانی کی ملاقات سے بے پایاں مسرتیں حاصل ہوتی رہیں۔

(۳) مشرکین کے اعتراضات کا جواب دیا جاتا رہے۔

(۴) واقعات و حوادث کے مطابق نزول اور ان پر تنبیہ ہوتی رہے۔

(۵) احکام شرعیہ کا نفاذ بتدریج ہو۔ تاکہ امت پر گراں نہ ہو۔

(۶) قرآن کا حفظ، قرآن کا فہم و اخذ امت پر سہل ہو۔

(۷) اس بات کی رہنمائی بار بار ہوتی رہے کہ قرآن کا کوئی نازل فرمانے والا ہے جس کی طرف سے تنزیل ہوا کرتی ہے۔

تنزیل من حکیم حمید ۔ (حم سجدہ پ۲۴ ع ۱۹) اتارا ہوا ہے حکمت والے ستودہ صفات کا۔

حفاظت قرآن

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر جو آیات اترتیں انہیں بڑے اہتمام سے خود یاد کرتے۔ پھر صحابہ کو سناتے۔ حفظ کی کوشش یہاں تک تھی کہ درمیان نزول۔ قرأت جبریل کے ساتھ خود بھی تلاوت کرتے جاتے کہ کہیں یاد ہونے سے رہ نہ جائیں۔ نزول قرآن کا بار یوں ہی بے پناہ گراں۔ لو انزلنا ھذا القرآن علی جبل لرأیتہ خاشعا متصدعا من خشیۃ اللہ۔ (حشر پ۲۸ ع ۶) (اگر ہم یہ قرآن کسی پہاڑ پر اتارتے تو ضرور تو اسے دیکھتا جھکا ہوا۔ پاش پاش ہوتا اللہ کے خوف سے) اس پر یہ مشقت اور ہی گراں۔ اس کریم و رحیم کو جسے محبوب کے احوال کا بڑا ہی لحاظ تھا۔ یہ مشقت مزید گوارا نہ ہوئی۔ فرمایا۔

لا تحرک بہ لسانک لتعجل بہ تم یاد کرنے کی جلدی میں قرآن کے ساتھ

ان علینا جمعہٗ وقراٰنہ (قیامہ پ ۲۹ ع ۱۷۶) اپنی زباں کو حرکت نہ دو۔ بے شک اس کا محفوظ کرنا اور پڑھنا ہمارے ذمہ ہے۔

مگر یہ امر قابل توجہ ہے کہ اس جمع ربانی کے تحت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حفاظت قرآن کا وہ بے مثال انتظام فرمایا۔ کہ عہد اکرم ہی میں قرآن کریم کے ضیاع اور تحریف وتبدیل کا خوف جاتا رہا۔ ایک طرف تو صحابہ کرام کو حفظ قرآن کی ترغیب دی دوسری طرف عرب کی بے نظیر قوت حافظہ کے باوجود، کتابت قرآن کا اہتمام فرمایا یہی وہ دو اہم انتظام ہیں جنہیں باعتبار ظاہر حفاظت قرآن کی "اساس" قرار دیا جاسکتا ہے۔

حفظ قرآن کی اہمیت

اب یہاں ہم ایسی چند احادیث ذکر کریں گے جن سے اندازہ ہو گا کہ عہد رسالت میں حفظ قرآن کی اہمیت کیا تھی؟ اور یہیں سے یہ بھی معلوم ہو گا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ان سب اقدامات کے باوجود ممکن نہیں کہ صحابہ کی خیر و کمال میں جذبۂ سبقت ومسابقت رکھنے والی عظیم وکثیر جماعت میں پورے قرآن کے حافظ صرف چار رہے ہوں۔

(۱) سرکار نے قرآن سیکھنے، سکھانے کی بہت زیادہ تاکید فرمائی متعدد صحابہ کرام سے مروی ہے کہ حضور نے انہیں کوئی سورۃ یا آیت بڑے اہتمام سے سکھائی۔ اور یہ تو عام ارشاد تھا۔

خیرکم من تعلم القرآن وعلمہ۔ تم میں سب سے بہتر وہ ہے جس نے قرآن سیکھا اور سکھایا۔ (مسند احمد ص۵۸ ج۱، بخاری ص۷۵۲ ج۲، ابوداؤد ص۲۲۹ ج۱ مصری، ترمذی ج۲ ص۱۱۵، ابن ماجہ ص۱۹، نسائی، الترغیب والترہیب ص۵۷۵ ج۲)

(۲) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ کو بتایا کہ حافظ قرآن کا درجہ بہت بلند

52500

اور اس کا ثواب بہت زیادہ ہے۔

عن عائشۃ قالت قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، الماھر بالقرآن مع السفرۃ الکرام البررۃ والذی یقرأ القرآن ویتتعتع فیہ وھو علیہ شاق لہ اجران۔	حضرت عائشہ فرماتی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ قرآن کا ماہر نیک سرشت "کراماً کاتبین" کے ساتھ ہوگا۔ اور جو شخص تتلاتے ہوئے قرآن پڑھتا ہے اور قرأت اس پر دشوار ہوتی ہے اس کے لیے دو ثواب ہیں۔

(بخاری ص۱۱۲۵ ج۲، مسلم ص۲۶۹ ج۱، ابوداؤد ص۲۲۹ ج۱، ترمذی ص۱۱۴ ج۲، ابن ماجہ ص۲۷۶ نسائی، الترغیب والترہیب ص۵۷۲ ج۲)

امام ابو زکریا نووی فرماتے ہیں۔

والماھر الحاذق الکامل الحفظ الذی لایتوقف ولایشق علیہ القراءۃ لجودۃ حفظہ واتقانہ (المنہاج شرح مسلم للنووی ج۱ ص ۲۶۹)	ماہر، وہ تجربہ کار، مکمل یادداشت والا شخص ہے جس کو حفظ کی عمدگی اور یاد کی پختگی کے باعث نہ تو رک رک کے پڑھنا پڑتا ہے، نہ ہی اُسے قرأت میں کوئی دشواری ہوتی ہے۔

حضرت علی ابن ابوطالب کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے روایت ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم من قراء القرآن فاستظھرہٗ فاحل حلالہ وحرم حرامہ ادخلہ اللہ الجنۃ وشفعہ فی عشرۃ من اھل بیتہ کلھم قد وجبت لھم النار۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے قرآن پڑھ کے اسے زبانی یاد کر لیا۔ پھر اس کے حلال کو حلال حرام کو حرام ٹھہرایا۔ اللہ تعالیٰ اسے اس کے اس عمل کے سبب جنت میں داخل فرمائے گا اور اس کے گھر کے ایسے دس آدمیوں کے

مسند احمد ج۱ ص۲۱۲ ترمذی ج۱ ص۱۱۴ ابن ماجہ ص۱۹ دارمی)

بارے میں اس کی شفاعت قبول فرمائے گا جن میں ہر ایک پر دو زخ واجب و ثابت ہو چکی ہو گی۔

ابن مندہ جابر ابن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سے راوی ہیں۔

قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیہ وسلم اذا مات حامل القرآن اوحی الله الی الارض ان لا تاکلی لحمہ، فتقول ای رب کیف اکل لحمہ وکلامك فی جوفہ۔ قال ابن مندہ وفی الباب ابوهریرة وعبد الله بن مسعود۔ (شرح الصدور فی احوال الموتی والقبور لجلال الدین السیوطی ص۱۳۳)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب حافظ قرآن مرتا ہے خدائے تعالیٰ زمین کو حکم فرماتا ہے کہ اس کا گوشت نہ کھانا عرض کرتی ہے۔ پروردگار بھلا میں اس کا گوشت کیونکر کھاؤں گی جبکہ اس کے سینے میں تیرا مقدس کلام محفوظ ہے۔ ابن مندہ نے کہا۔ اس باب میں ابوہریرہ اور عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی روایت ہے۔

حضرت علی ابن ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

ادبوا اولادکم علی ثلاث خصال۔ حب نبیکم وحب اهل بیتہ وقراۃ القرآن۔ فان حملۃ القرآن فی ظل الله یوم لا ظل الا ظلہ

اپنی اولاد کو تین باتوں کا ادب دو (۱) محبت رسول (۲) حب اہل بیت (۳) قرأت قرآن۔ کیوں کہ حفاظ قرآن انبیاء و اصفیاء کے ساتھ خدا کے سایۂ کرم میں اس دن

مع انبیاءہ واصفیائہ (دیلمی مختار الاحادیث مصری ص۹ کنز العمال)

ہوں گے جس دن اس کے سایۂ کرم کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا۔

(۳) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس بات کی بہت زیادہ تاکید فرمائی کہ قرآن یاد ہو جانے کے بعد بھولنے نہ پائے۔ اور بھلانے والے کے لیے سخت وعیدیں بیان فرمائیں۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تعاهدوا القرآن فوالذی نفسی بیدہ لهو اشد تفصیا من الابل فی عقلها۔ (بخاری ص۷۵۳ ج۲۔ مسلم ص۲۶۸ ج۱)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، قرآن کی حفاظت وپابندی کرو۔ کہ اس ذات کی قسم کہ جس کے دست قدرت میں میری جان ہے۔ یہ رسیوں میں بندھے اونٹوں سے بھی زیادہ چھوٹ کر نکل جانیوالا ہے

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔

استذکروا القرآن فانہ اشد تفصیا من صدور الرجال من النعم (بخاری ص۷۵۲ ج۱ مسلم ص۲۶۷ ج۱ وزاد مسلم "بعقلها" النسائی ص۱۱۱ ج۱)

قرآن یاد کیا کرو۔ کہ رسیوں سے اونٹوں کے چھوٹ نکلنے کی بہ نسبت وہ آدمیوں کے سینوں سے نکل کر جدا ہونے میں زیادہ تیز ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

انما مثل صاحب القرآن کمثل صاحب الابل المعقلۃ۔ ان عاهد

قرآن یاد رکھنے والے کی مثال اس شخص کی ہے جو رسیوں میں بندھے اونٹ رکھتا

علیہا امسکہا وان اطلقہا ذہبت (بخاری ج۲ ص۷۵۲، مسلم ج۱ ص۲۶۷، نسائی ج۲ ص۱۱)

ہو۔ اگر ان کی دیکھ بھال کرے تو روک سکے، اور اگر چھوڑ دے تو نکل بھاگیں۔

(۴) عہد رسالت میں امامت کے لئے اسی کو ترجیح حاصل ہوتی جو زیادہ قرآن کا حافظ ہو۔ وہی اس زمانے میں زیادہ علم والا بھی ہوتا۔

حضرت ابو مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یؤم القوم اقرأھم لکتاب اللہ (مسلم ج۱ ص۲۳۶، نسائی ج۱ ص۸۹)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ لوگوں کی امامت وہ کرے جو کتاب اللہ کا زیادہ پڑھنے والا ہو۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح میں فرماتے ہیں۔

والاظہر ان معناہ اکثرھم قراءۃ۔ بمعنی۔ احفظھم للقرآن۔ کما ورد:۔ اکثرکم قرآنا۔ (ج ۲۔ ص ۸۸)

ظاہر تر یہی ہے کہ "اقرأ" کا معنی زیادہ قرأت والا یعنی جو زیادہ قرآن کا حافظ ہو۔ جیسا کہ دوسری روایت میں ہے تم میں "زیادہ قرآن والا"

حضرت ابو سعید سے روایت ہے۔ سرکار ارشاد فرماتے ہیں۔

احقھم بالامامۃ اقرأھم (مسلم ص۲۳۲ ج۱)

لوگوں میں امامت کا سب سے زیادہ حق دار وہ ہے جو زیادہ قرآن پڑھنے والا ہو

(۵) ضرورۃً ایک قبر میں چند آدمی دفن کئے جاتے تو جانب قبلہ مقدم وہی رکھا جاتا جو دوسروں پر حفظ قرآن میں فائق ہوتا۔

حضرت ہشام ابن عامر سے روایت ہے۔

ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال یوم احد احفروا، واوسعوا

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جنگ احد کے دن فرمایا۔ قبر کھودو۔

اعمقوا، واحسنوا، وادفنوا الاثنین والثلثۃ فی قبر واحد، وقدموا اکثر ھم قرآنا۔ (احمد، ترمذی صـ۲۰۲ ج۱)	کشادہ، گہری، اور عمدہ کھودو۔ اور ایک قبر میں دو تین آدمیوں کو دفن کرو۔ اور آگے اُسے رکھو جو زیادہ قرآن والا ہو۔

(ابوداؤد صـ۲۲ ج۲، نسائی صـ۲۸۳ ج۱، ابن ماجہ صـ۱۱۰ بعضہ وبعضہ عن جابر بن عبداللہ۔ بخاری نحوہ عن جابر صـ۱۷۹ ج۱)

(۶) نماز میں کچھ قرآن پڑھنا فرض۔ سورۂ فاتحہ اور کوئی دوسری سورہ یا کم از کم تین چھوٹی آیتوں کی قرأت نماز کی ہر رکعت میں واجب ہوئی (فرض کی صرف تیسری اور چوتھی رکعت اس حکم سے مستثنیٰ ہے) جس کے باعث ہر مسلمان کچھ نہ کچھ قرآن ضرور یاد رکھتا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ان الذی لیس فی جوفہ شیٔ من القرآن کالبیت الخرب (ترمذی صـ۱۱۵ ج۲)	وہ شخص جس کے سینے میں قرآن کا کوئی حصہ نہیں۔ ویران گھر کی طرح ہے۔

حاکم دارمی، وقال الترمذی ہذا حدیث صحیح،

ان ارشادات اور اس اہتمام عظیم کا نتیجہ کیا ہوا؟ یہی کہ جزوی قرآن کے حافظوں کا تو کوئی شمار ہی نہیں، پورے قرآن کے حافظوں کی تعداد اس حد کو پہنچ گئی کہ سریۂ بیر معونہ میں (جو عہد رسالت ہی میں پیش آیا) ستر حفاظ قرآن شہید ہوئے (بخاری صـ۵۸۶ ج۲) یقیناً ان کی شہادت کے بعد بھی حفاظ کی کثیر تعداد موجود تھی۔ جبھی تو وصال سید عالم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے ذرا بعد ۱۱ھ ہی میں پیش آنے والی جنگ یمامہ میں حافظ شہدا کی تعداد سات سو تک آئی ہے۔

قرآن کے عدم تواتر کا الزام

مگر اسے کیا کیجئے گا کہ ان سب کے باوجود مخالفین اسلام کا الزام یہ ہے کہ عہد رسالت میں صرف چار حافظ تھے۔ زمانہ مابعد میں ان ہی چار سے قرآن منقول ہوا۔ لہٰذا عہد

رسالت سے تواتر کے ساتھ قرآن منقول نہ ہوا۔ کیونکہ صرف چار کی تعداد سے تواتر نہیں ہوسکتا۔

ان کے شبہہ کی بنیاد حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس حدیث پر ہے۔

عن قتادۃ قال سمعت انسا جمع القرآن علی عہد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اربعۃ کلھم من الانصار۔ معاذ بن جبل وابی بن کعب وزید بن ثابت وابو زید۔ (بخاری ج۲۔ ص۷۴۸)

قتادہ بیان کرتے ہیں میں نے حضرت انس سے سنا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے میں چار آدمیوں نے قرآن یاد کیا۔ یہ سب انصاری تھے معاذ بن جبل۔ ابی بن کعب، زید بن ثابت، ابو زید۔

دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

مات النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ولم یجمع القرآن غیر اربعۃ، ابوالدرداء ومعاذ بن جبل وزید بن ثابت وابو زید (بخاری)

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وصال اس وقت ہوا کہ صرف ان چار آدمیوں نے قرآن حفظ کیا تھا۔ ابو الدرداء، معاذ بن جبل، زید بن ثابت اور ابو زید۔

لیکن دوسری روایات واحادیث سے عہد رسالت میں بکثرت حفاظ کا وجود صراحۃً ثابت ہے۔ لہٰذا حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس قول سے یہ استدلال ہرگز صحیح نہیں کہ واقعۃً عہد رسالت میں صرف چار حفاظ تھے۔

امام مازری فرماتے ہیں۔

لا یلزم من قول انس۔ "لم یجمعہ غیرھم" ان یکون

حضرت انس نے فرمایا، "ان کے علاوہ نے حفظ نہ کیا۔ اس سے یہ

الواقع فی نفس الامر کذلک لان التقدیر انه لایعلم ان سواهم جمعه، والا فکیف الاحاطة بذلک مع کثرة الصحابة وتفرقهم فی البلاد۔ وھذا لایتم الا ان کان لقی کل واحد منهم علی انفراده و اخبره عن نفسه انه لم یکمل له جمع فی عہد النبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم وھذا فی غایة البعد فی العادة۔ واذا کان المرجع الی ما فی علمه لم یلزم ان یکون الواقع کذلک

(اتقان ج ۱۔ ص ۷۱)

لازم نہیں آتا کہ حقیقت میں بھی ایسا ہی ہو۔ اس لئے کہ ہم یہ مانتے ہیں کہ انہیں ان چار کے سوا دوسرے حضرات کے حفظ کا علم نہ تھا۔ اگر یہ نہ مانا جائے تو بھلا بتایئے سارے حفاظ کا احاطہ وشمار انہوں نے کیسے کیا ہوگا؟ جب کہ صحابہ بہت زیادہ تھے۔ اور یک جا نہیں بلکہ مختلف شہروں میں منتشر تھے۔ سب کا احاطہ وشمار جبھی ہو سکتا ہے کہ انہوں نے الگ الگ سب سے ملاقات کی ہو۔ اور ہر ایک نے انہیں اپنے بارے میں باخبر کیا ہو کہ اس نے عہد نبوت میں تکمیل حفظ نہ کی اور عادۃً ایسی تفتیش وتحقیق انتہائی بعید ہے۔ نتیجۃً یہی کہنا ہوگا کہ انہوں نے محض اپنے علم واطلاع کے لحاظ سے کہا ہے تو فی الواقع بھی ویسا ہی ہو ناضروری نہیں۔

قاضی ابوبکر باقلانی نے اس کے متعدد جوابات دیتے ہوئے ایک جواب یہ بھی ذکر فرمایا ہے۔

السادس - المراد بالجمع الكتابة، فلا ينفي ان يكون غيرهم جمعه حفظا عن ظهر قلبه، واما هؤلاء فجمعوه كتابة وحفظوه عن ظهر قلب۔
(فتح الباری ج۹ - اتقان ص۱/ج۱)

جواب ششم یہ ہے کہ حضرت انس کے قول میں "جمع" کے لفظ سے کتابت مراد ہو کہ صرف ان چار حضرات نے پورا قرآن لکھا اور یاد کیا یہ دوسرے حضرات کے حفظ کرنے کے منافی نہیں

علامہ ابن حجر ان جوابات کو نقل کر کے فرماتے ہیں۔

وفی غالب هذه الاحتمالات تكلف

ان میں سے اکثر احتمالات میں تکلف ہے۔

علامہ موصوف ایک حدیث ذکر فرماتے ہیں۔ اور اس کی روشنی میں یہ واضح کرتے ہیں کہ حضرت انس کا قول صرف ایک قبیلے کے مقابلہ میں ہے۔ تمام صحابہ کرام کے مقابلہ میں نہیں۔ حدیث یہ ہے۔

عن انس قال افتخر الحیان الاوس والخزرج فقال الاوس منا اربعة - من اهتزله العرش سعد بن معاذ، ومن عدلت شهادته شهادة رجلين خزيمة بن ابی ثابت، ومن غسلته الملائكة

حضرت انس سے مروی ہے کہ اوس وخزرج نامی انصار کے دونوں قبیلوں نے باہم مفاخرت کی اوس نے کہا ہم میں چار آدمی ایسے ہیں جیسے تم میں نہیں (۱) سعد بن معاذ۔ جن کی روح کے استقبال میں عرش جھوم اٹھا (۲) خزیمہ بن ابی ثابت - جن کی شہادت دو مردوں کی گواہی کے برابر

حنظلة بن ابی عامر، ومن حمته الدبر عاصم بن ابی ثابت (ای ابن ابی الافلح) فقال الخزرج منا اربعة جمعوا القران لم یجمعه غیرهم نذکرهم۔
(فتح الباری ج ۹)

قرار دی گئی (۳) حنظلہ بن ابی عامر جنہیں بعد شہادت فرشتوں نے غسل دیا۔(۴) عاصم بن ابی ثابت۔ بعد شہادت جن کی نعش مبارک کفار کی بے حرمتی سے شہد کی مکھیوں کے ذریعہ محفوظ رکھی گئی۔ اس پر خزرج نے کہا۔ ہم میں چار آدمی ایسے ہیں جنہوں نے پورا قرآن یاد کیا، اور دوسروں نے نہ کیا پھر ان کے نام گنائے۔

جب قبیلہ خزرج کی طرف سے قبیلہ اوس کے مقابلہ میں یہ بات کہی گئی ہے تو اس کا معنی واضح ہے، اب حضرت انس کے قول کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ ہم خزرج میں چار حفاظ ہیں۔ اور اوس میں کوئی حافظ نہیں۔ اس سے ہرگز یہ لازم نہیں آتا کہ دوسرے قبیلوں اور مہاجرین میں بھی حفاظ قرآن نہ ہوں۔

علاوہ ازیں علامہ نووی فرماتے ہیں یہ حصر کیونکر تسلیم کیا جا سکتا ہے جب کہ ان میں خلفاء اربعہ، ابوبکر، عمر، عثمان، علی اور دوسرے صحابہ کبار رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا ذکر ہی نہیں۔ جن سے بالکل بعید ہے کہ انہوں نے حفظ قرآن جیسی اہم فضیلت نہ حاصل کی ہو۔ جب کہ اس سے کم درجہ کی طاعات و عبادات میں ان کی حرص و رغبت معروف و ممتاز ہے۔ (شرح مسلم للنووی ج ۲ ص ۲۹۴)

ابن حجر فتح الباری میں رقم طراز ہیں۔ بہت سی احادیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سرکار کی زندگی ہی میں قرآن حفظ کیا کرتے تھے۔

صحیح بخاری میں ہے انہوں نے اپنے گھر کے صحن میں ایک مسجد بنا رکھی تھی۔ جس میں قرآن پڑھا کرتے یعنی اس وقت تک جتنا نازل ہو چکا ہوتا پڑھتے رہتے ۔
مزید فرماتے ہیں ۔ ان کے حافظ ہونے میں تو ذرا بھی شک وشبہہ کی گنجائش نہیں کیونکہ انہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے قرآن سیکھنے کا بے حد شوق تھا۔ اور اس سے ان کے لئے کوئی مانع بھی نہ تھا۔ بلکہ وہ اس کام کے لئے فارغ البال تھے انہیں ہمیشہ اس کی سہولت بھی تھی۔ مدینہ اور سفر ہجرت کے علاوہ مکہ میں بھی معیت کا شرف حاصل تھا۔ ام المؤمنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں ۔۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کے گھر روزانہ صبح وشام تشریف لاتے ـــ علاوہ ازیں حدیث صحیح سے ثابت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا " لوگوں کی امامت وہ کرے جو سب سے زیادہ قرآن یاد رکھنے والا ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مرض وفات میں حضرت صدیق کو امامت کے لئے آگے بڑھایا۔ اگر ان سے زیادہ کوئی حافظ ہوتا تو اس پر انہیں بھلا کیسے مقدم کرتے اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ وہی سب سے زیادہ قرآن کے حافظ تھے ۔
(فتح الباری ج ۹)

طبقات ابن سعد، مستدرک حاکم، اور کتاب ابن ابی داؤد میں محمد بن کعب قرظی سے روایت ہے ۔

جمع القرآن فی زمان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خمسۃ من الانصار، معاذ بن جبل، وعبادۃ بن الصامت وابی بن کعب وابو ایوب	نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے میں پانچ انصار نے قرآن حفظ کیا۔ معاذ بن جبل، عبادہ بن صامت، ابی بن کعب، ابو ایوب، ابو الدرداء، ــــــــــ

وابوالدرداء - (کنزالعمال ج ۱ ص ۲۸۱ ....
فتح الباری ج ۹ ص ۴۴) ....

اس میں حضرت عبادہ بن صامت اور حضرت ابوایوب کا ذکر ہے، جو حضرت انس کی حدیث میں ...... علامہ ابن حجر فرماتے ہیں مرسل ہونے کے باوجود اس حدیث کی سند حسن ہے۔

ابن سعد، یعقوب بن سفیان، طبرانی (فی الکبیر) اور حاکم مستدرک میں جلیل القدر تابعی امام شعبی سے راوی ہیں۔ انہوں نے فرمایا۔

جمع القرآن علی عہد رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم ستة نفر من الانصار ابی بن کعب وزید بن ثابت ومعاذ بن جبل وابو الدرداء وسعید بن عبید وابو زید وکان مجمع بن جاریة قد اخذه الا سورتین اوثلاث (کنز العمال ج ۱ ص ۲۴۴)

عہد رسالت میں چھ انصار نے قرآن حفظ کیا۔ ابی بن کعب۔ زید بن ثابت معاذ بن جبل، ابوالدرداء۔ سعید بن عبید ابوزید۔ اور مجمع بن جاریہ نے بھی دو تین سورتوں کے علاوہ پورا قرآن یاد کر لیا تھا۔

اس میں حضرت سعید بن عبید کا نام مزید ہے۔ فتح الباری میں ہے مرسل ہونے کے باوجود اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۴۴)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالی عنہما سے بسند صحیح مروی ہے فرماتے ہیں۔

جمعت القرآن فقرأت به کل لیلة فبلغ النبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فقال اقراء فی

میں نے قرآن حفظ کر لیا تو ہر رات پورا قرآن پڑھتا۔ نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کو اس کی خبر پہنچی تو

شهر۔ (نسائی م) فرمایا ایک مہینہ میں ختم کیا کرو۔

حضرت انس کی حدیث میں ان کا نام بھی نہیں ـــــ صحیح بخاری میں مسروق سے روایت ہے۔

ذکر عبد اللہ عند عبد اللہ بن عمرو، فقال ذاك رجل لا ازال احبہ بعد ما سمعت رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یقول استقروا لقرآن من اربعۃ من عبد اللہ بن مسعود نبدابہٗ وسالم مولیٰ ابی حذیفۃ وابی بن کعب ومعاذ بن جبل۔ قال لا ادری بدأ بابی او بمعاذ بن جبل۔

(بخاری ابواب المناقب ج ۱۔ ص ۵۳۱

۔(اصح المطابع دہلی)۔ - - - -

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے سامنے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکر ہوا تو انہوں نے فرمایا یہ وہ شخص ہیں جنہیں میں اس کے بعد سے برابر محبوب رکھتا ہوں۔ جب سے میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ چار آدمیوں سے قرآن سیکھو۔ عبداللہ بن مسعود سے۔ سرکار نے ان کا نام پہلے لیا۔ اور ابوحذیفہ کے غلام سالم، ابی بن کعب اور معاذ بن جبل سے انہوں نے کہا پتہ نہیں سرکار نے ابی کا نام پہلے لیا یا معاذ بن جبل کا۔

اس حدیث میں حضرت عبداللہ ابن مسعود اور حضرت سالم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ذکر ہے۔ جو حدیث انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ میں نہیں ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود وہ جلیل القدر صحابی ہیں جو قدیم الاسلام بعد خلفاء اربعہ افقہ الصحابہ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی مذکورہ خصوصیت

کے حامل ہونے کے ساتھ قرآن کے اتنے زبردست عالم ہیں کہ خود فرماتے ہیں۔

واللہ الذی لاالٰہ غیرہ ماانزلت سورۃ من کتاب اللہ الا انا اعلم این نزلت، وما انزلت آیۃ من کتاب اللہ الا انا اعلم فیما انزلت ولو اعلم احد اعلم بکتاب اللہ منی تبلغہ الابل لرکبت الیہ (بخاری باب القراء ج۲ ص۷۴۸)	قسم خدا کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں قرآن کی جو سورۃ بھی نازل ہوئی ہیں اس کے بارے میں جانتا ہوں کہ کہاں نازل ہوئی۔ اور جو آیت بھی اتری اور میں جانتا ہوں کہ کس بارے میں اتری اگر مجھ سے زیادہ کوئی عالم قرآن دریافت ہوتا جس تک اونٹوں کے ذریعہ رسائی ہو سکے تو میں اس کے پاس حاضر ہوتا۔

اور ان کے حفظ و قرأت کی شان اس حدیث سے معلوم ہوتی ہے جو حاکم نے مستدرک میں حضرت علقمہ بن قیس علیہ الرحمہ سے روایت کی ہے۔ کہ امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ایک شخص آیا وہ عرفہ میں تھے۔ اس نے عرض کیا امیر المومنین! میں کوفہ سے آیا ہوں۔ وہاں ایک شخص ہے جو زبانی اپنی یادداشت سے مصاحف لکھاتا ہے۔ یہ سن کر فاروق اعظم اتنے غضبناک ہوئے کہ غصہ سے پھولنے لگے، معلوم ہوتا تھا کہ اس شخص کے دونوں کنارے بھر دیں گے۔ فرمایا۔ ارے تم پر افسوس! وہ ہے کون؟ اس نے عرض کیا۔ عبداللہ بن مسعود۔ اب آہستہ آہستہ ان کا غصہ فرو ہونے لگا۔ اور پہلے کی طرح پرسکون ہو گئے۔ پھر فرمایا۔

ویحك واللہ ما اعلمہ بقی احد من المسلمین ھو احق بذلك منہ۔	ارے خدا کی قسم عبداللہ بن مسعود سے زیادہ اس کام کا مستحق اب مسلمانوں میں اور کوئی نہیں۔

میں تمہیں ایک حدیث سناؤں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ ابوبکر صدیق کے یہاں رات کو مسلمانوں کے کسی معاملہ میں گفتگو کیا کرتے ایک

رات میں بھی ان کے ساتھ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وہاں سے نکلے ہم لوگ بھی نکل چلے۔ دیکھا تو مسجد میں ایک شخص کھڑا نماز پڑھ رہا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کھڑے ہو کر بغور اس کی قرأت سننے لگے جب ہم اس شخص کو پہچاننے کی کوشش کر کے تھک گئے تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

من سرہ ان یقرأ القرآن کمال انزل فلیقرأہ علی قراءۃ ابن ام عبد۔

جسے اس بات سے خوشی ہو کہ قرآن جیسا نازل ہوا ہے ویسا ہی پڑھے تو ابن ام عبد (عبداللہ بن مسعود) کی قرارت پر پڑھے۔

پھر وہ شخص بیٹھا دعا کر رہا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس سے فرمانے لگے سل تعطہ۔ مانگو۔ تمہیں عطا ہو۔ حضرت عمر فرماتے ہیں۔

نقلت واللہ لاغدون الیہ فلابشرنہ قال فغدوت الیہ لابشرہ فوجدت ابا بکر قد سبقنی فبشرہ فواللہ ما سابقتہ الی خیر قط الا سبقنی الیہ۔

(مستدرک ج ۲ ص ۲۲۷)

میں نے کہا۔ خدا کی قسم! میں سویرے اس کے پاس جا کر یہ خوش خبری اسے ضرور سناؤں گا۔ اس کے یہاں صبح کو خوشخبری سنانے گیا تو دیکھا کہ ابو بکر نے مجھ سے پہلے جا کر اسے مژدہ سنا دیا۔ خدا کی قسم میں نے جب بھی کسی نیک عمل میں ان سے مسابقت کی وہی مجھ پر سبقت لے گئے۔

یہ ہے حضرت عبداللہ بن مسعود کا حفظ و قرأت میں مقام۔ لیکن حضرت انس کی حدیث میں ان کا بھی ذکر نہیں۔ یقیناً اس کی وجہ یہی ہو سکتی ہے کہ ان کا بیان ان کے

اپنے علم کی حد تک ہے یا یہ کہ انہوں نے صرف قبیلہ اوس کے مقابلہ میں خزرج کے حفاظ کا ذکر کیا جس سے بس اتنا ثابت ہو سکتا ہے کہ انصار میں یہی چار حفاظ تھے۔ مگر حضرت انس کی حدیث میں بھی، ایک روایت میں حضرت ابی بن کعب کا ذکر ہے۔ دوسرے میں ان کی جگہ حضرت ابوالدرداء (عویمر بن مالک) کا تذکرہ ہے) رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ حضرت قتادہ کی روایت میں بغیر حصر کے ہے۔ دوسری روایت میں حصر کے ساتھ ہے۔ اس لیے یہ حصر بجائے خود اسی حدیث سے محل نظر ثابت ہو جاتا ہے۔

چند حفاظ صحابہ کے اسماء

اب تک جو احادیث ذکر ہوئیں ان سے مندرجہ ذیل حفاظ کے نام معلوم ہوئے

(۱) معاذ بن جبل (۲) ابی بن کعب (۳) زید بن ثابت (۴) ابوزید (۵) ابوالدرداء (۶) عبادہ بن صامت (۷) سعید بن عبید (۸) عبداللہ بن عمرو بن العاص (۹) عبداللہ بن مسعود (۱۰) سالم بن معقل مولیٰ ابی حذیفہ (۱۱) ابوبکر صدیق۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

ابوعبید نے کتاب القرآت میں درج ذیل حفاظِ صحابہ کا ذکر فرمایا ہے۔

مہاجرین سے خلفاء اربعہ ابوبکر[۱]، عمر[۲]، عثمان[۳]، علی[۴]، طلحہ[۵]، سعد[۶] ابن مسعود، حذیفہ[۸]، سالم[۹]، ابوہریرہ[۱۰]، عبداللہ بن سائب[۱۱]، عبداللہ بن عباس[۱۲] عبداللہ بن عمر[۱۳]، عبداللہ بن عمرو[۱۴]، عائشہ[۱۵]، حفصہ[۱۶]، ام سلمہ[۱۷]۔

انصار سے عبادہ بن صامت[۱۸]، معاذ[۱۹]، جن کی کنیت ابوحلیمہ تھی، مجمع بن جاریہ[۲۰] فضالہ بن عبید[۲۱]، مسلمہ بن مخلد[۲۲]، رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین ۔۔ ان ہی کے ساتھ معاذ بن جبل[۲۳]، ابی بن کعب[۲۴]، زید بن ثابت[۲۵]، ابوزید[۲۶] (قیس بن السکن) ابوالدرداء[۲۷]، سعید بن عبید[۲۸]، رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کو بھی شمار کر لیا جائے جن ذکر اوپر

ہو چکا۔

لیکن ابو عبید نے اپنے ذکر کردہ حفاظ کے بارے میں لکھا ہے کہ "ان میں سے بعض نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد تکمیل کی ہے"۔ مثلاً مجمع بن جاریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق امام شعبی کی روایت گزری کہ حضور کے زمانے میں پورے قرآن کے حافظ تھے۔ مگر دو تین سورتیں اس وقت انہیں یاد نہ تھیں۔

ابن ابی داؤد نے تمیم داری[29] و عقبہ بن عامر[30] کا۔ اور ابو عمرو دانی نے ابو موسیٰ[31] اشعری کا اور علامہ جلال الدین سیوطی نے بحوالہ طبقات ابن سعد، ام ورقہ[32] بنت عبداللہ بن حارث کا بھی ذکر کیا ہے۔ جنہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے عہد مبارک میں "شہیدہ" کے لقب سے یاد فرماتے اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت میں انہوں نے اپنے مدبر غلام اور باندی کے ہاتھوں شہادت پائی۔ فاروق اعظم پکار اٹھے۔

صدق رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كان يقول انطلقوا بنا نزور الشهيدة (اتقان ج ۱ ص ۷۲)

سچ فرمایا اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے۔ فرمایا کرتے چلو ہم "شہیدہ" کی زیارت و ملاقات کریں گے۔

یہ بتیس[33] حفاظ صحابہ کے اسمائے گرامی پیش ہوئے۔ مگر اب بھی یہ دعویٰ نہیں کیا جا سکتا کہ صحابہ میں بس اتنے ہی حفاظ تھے۔ اس لیے کہ عہد صدیقی کی جنگ یمامہ میں سات سو یا زیادہ حفاظ صحابہ کی شہادت ہوئی (عینی ج ۲۰ ص ۱۶)

جنگ یمامہ ۱۱ھ ہی میں وصال سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چند ماہ بعد واقع ہوئی۔ ظاہر ہے کہ اتنے کثیر حفاظ یک بیک تو پیدا نہ ہوں گے، یقیناً ان میں اکثر وہی ہوں گے جو عہد رسالت ہی میں حفظ کی تکمیل کر چکے ہوں تو

بتیس[۳۲] سے بھی زیادہ حفاظ کا عہد رسالت میں ہی ہونا یقینی طور پر لازم آتا ہے۔
یہ بھی ذہن نشین رہے کہ یہاں حفاظ سے بحث ہے جنہیں پورا قرآن یاد ہو۔
رہا اجزار قرآن یا کچھ قرآن کا حفظ تو اس سے تو شاید ہی کوئی مسلمان مستثنیٰ
کیا جا سکے۔ سرکار کے حجۃ الوداع میں مسلمانوں کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار
کو پہنچ چکی تھی۔

اب آپ غور کیجئے کیا ان سب حقائق کے پیش نظر قرآن کریم کے عدم تواتر
کا استدلال "تار عنکبوت" سے کچھ زیادہ حیثیت رکھتا ہے؟ ـــ امام مازری فرماتے ہیں

اور اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ عہد رسالت میں کوئی جماعت کثیرہ ایسی
نہ تھی جس کے ہر فرد کو پورا قرآن یاد ہو، تو بھی قرآن عظیم کا عدم تواتر ثابت نہیں
ہو سکتا۔ قرآن کا تواتر یوں بھی ہو سکتا ہے کہ کچھ اجزار قرآنیہ ایک جم غفیر کو یاد ہوں
دوسرے کو نہیں، کچھ دوسرے کو یاد ہوں پہلے کو نہیں، اسی طرح مختلف اجزار
مختلف بڑی جماعتوں کو یاد ہوں۔ مثلاً الگ الگ پانچ یا پانچ دس دس سو تیس
بیس پچیس جماعتوں کو یاد ہوں پھر ان سے اسی طرح منقول ہوں اس طرح بھی
تواتر ثابت ہو جاتا ہے (اتقان ج ۱ ص ۷۱)

بر سبیل تنزل یہ بھی ایک جواب ہے جس کا کوئی جواب نہیں۔ بہر حال
ملاحدہ کا یہ الزام (کہ قرآن بتواتر منقول نہیں) ان کی کوتاہ نظری یا عناد محض
کا نتیجہ ہے جو کسی طرح قابل التفات نہیں۔

قرآن کی کتابت اور تدوین اوّل

عرب کا حافظہ مشہور ہے۔ ہزارہا اشعار، قصائد، ارجوزے، اور

روایات ان کو زبانی یاد ہوتیں۔ شعری مقابلوں میں اپنی قوت حافظہ پر فخر کرتے۔ کسی چیز کو لکھ کر یاد کرنا اپنے لئے کسرشان سمجھتے۔ مگران سب کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قرآن کا معاملہ صرف حفظ تک محدود نہ رکھا۔ بلکہ اس کی کتابت کا بھی اہتمام فرمایا۔ جتنا قرآن نازل ہوتا بحکم رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کی کتابت بھی ہو جاتی، اسی طرح زمانہ رسالت ہی میں نزول قرآن مکمل ہونے کے ساتھ کتابت قرآن بھی مکمل ہو گئی۔ اور یہی وہ تدوین و کتابت ہے جو زمانہ مابعد میں قرآنی خدمت کی اساس اور بنیاد قرار پائی۔

جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ "جاہلیت" کے زمانے میں آشنائے کتابت کون تھا کہ ابتدائے نزول ہی سے کتابت بھی ہونے لگی۔ وہ سخت غلط فہمی میں مبتلا ہیں ایک تو تاریخ سے بے خبری دوسری "جاہلیت" کے صحیح مفہوم سے ناآشنائی۔

"جاہلیت" ایک خاص مفہوم رکھتا ہے۔ جس سے ایک دور اور اس کے کردار و احوال کی تعبیر کی جاتی ہے۔ یہ معنی نہیں کہ اس زمانے میں علم و فن سے کوئی آشنا ہی نہ تھا۔ اس وقت بھی عرب میں کئی علوم رائج تھے، مگر وہ علم صحیح کی قدریں پامال کر رہے تھے۔ ان کا ماحول اخلاق و کردار کے اعتبار سے متعفن تھا۔ وہ بے حیائی و بدکرداری پر فخر کیا کرتے ان ہی حالات کی بناء پر اس دور کو دور جاہلیت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ قرآن فرماتا ہے۔

ولا تبرّجن تبرّج الجاھلیۃ الاولیٰ (احزاب پ ۲۲ ۱۶) — اور بے پردہ نہ رہو جیسے اگلی جاہلیت کی بے پردگی۔

کچھ ویسے ہی بلکہ اس سے بھی بدتر حالات، آج یورپ میں پیدا ہو چکے ہیں۔ اس خاص اصطلاح کے پیش نظر مغرب کو اس کی تمام تر ایجادات، علم و فن اور دنیاوی ترقیوں کے باوجود "نمونہ جاہلیت" کہا جاسکتا ہے۔

کتابت کا ثبوت تو خود قرآن سے ملتا ہے۔

والطور، وکتاب مسطور، فی رق منشور۔ (پ۲۷ ع ۳)	طور کی قسم۔ اور اس نوشتہ کی جو کھلے دفتر میں لکھا ہے۔
یکتبون الکتٰب بایدیھم (پ۱ ع ۹)	کتاب اپنے ہاتھ سے لکھیں۔
اذا تداینتم بدین الی اجل مسمی فاکتبوہ (بقرہ پ۳ ع ۷)	جب تم ایک مقرر مدت تک کسی دَین کا لین دین کرو تو اسے لکھ لو۔
ولیکتب بینکم کاتب بالعدل (بقرہ پ۳ ع ۷)	اور چاہیے کہ تمہارے درمیان کوئی لکھنے والا ٹھیک لکھے۔
رسول من اللّٰہ یتلوا صحفا مطھرۃ فیھا کتب قیمۃ (بینہ پ۳ ع ۲۴)	وہ اللہ کا رسول کہ پاک صحیفے پڑھتا ہے ان میں سیدھی باتیں لکھی ہیں۔
لا یمسہ الا المطھرون (واقعہ پ۲۷ ع ۱۶)	اسے نہ چھوئیں مگر با وضو۔

احادیث اس مقصد کے اثبات میں بے شمار ہیں۔ ان سب کا استقصار بہت دشوار ہے۔ حدیث کے عام طلبہ سے بھی مخفی نہیں۔ پھر آگے خاص کتابت قرآن سے متعلق احادیث آرہی ہیں۔ اس مبحث کے لیے وہی کافی ہیں۔

تاریخ بھی یہی بتاتی ہے کہ ظہور اسلام کے وقت عرب کتابت سے نا آشنا نہ تھے۔ اگرچہ ان میں لکھنے والوں کی تعداد زیادہ نہ تھی مگر قرآن کی کتابت کے لیے بقدر کفایت افراد ضرور موجود تھے۔

"دائرۃ معارف القرآن العشرین" کے الفاظ میں کتابت کی

اجمالی تاریخ یہ ہے۔ الخط عند العرب کان مجھولا قبیل ظھور الاسلام بنحو	عرب ظہور اسلام سے قریباً ایک صدی پہلے کتابت سے نا آشنا تھے۔ کیونکہ ان کے معاشرتی احوال

قرن، لان احوالهم الاجتما
عية وما كانوا عليه من
دوام الحروب والغارات صر
فهم عن ذالك ويعني
بهولاء العرب عرب الحجاز
الذين ظهر فيهم رسول الله
صلى الله تعالى عليه وسلم.
اما العرب الذين كانوا مجاورين
للفرس والرومان وبنو حمير في اليمن
والانباط في شمال جزيرة العرب فقد تعلموا
الخط من زمان مديد على ان بعض
اهل الحجاز ممن رحلوا الى العراق والشام
تعلموا الخط النبطي والعبري والسرياني وكتبوا
به الكلام العربي ثم لما جاء الاسلام تولد
عن الخط النبطي النسخ وعن السرياني
الخط الكوفي ويقال ان اول من تعلم
هذا الخط هو بشر بن عبد الملك الكندي
تعلمه من الانبار، وتزوج اخت ابي
سفيان بن حرب بمكة وعلم هذا الخط
لجماعة من قريش كذا ذكره
الجلال السيوطي (دائرة معارف القرآن

اور پیہم جنگوں، غارتوں میں ان
کی مصروفیت ان کے لئے اس
فن سے مانع رہی۔ ان عرب سے
مراد عرب حجاز ہیں۔ جن میں رسول اللہ
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ظہور ہوا
ورنہ فارس وروم کے ہمسایہ عرب
یمن کے بنو حمیر، اور شمالی جزیرہ
عرب کے نبطی، تو عرصہ دراز سے
آشنائے کتابت تھے۔ اور بعض
اہل حجاز جنہوں نے عراق وشام
کا سفر کیا۔ انہوں نے بھی نبطی
عبرانی وسریانی خط سیکھ لیا تھا
اور اسی خط میں عربی کلام بھی لکھتے
پھر جب اسلام آیا تو خطِ نبطی سے
"خط نسخ" اور سریانی سے "خط
کوفی" پیدا ہوا۔ کہا جاتا ہے سب
سے پہلے یہ خط سیکھنے والا بشر بن
عبدالملک کندی ہے۔ جس نے
انبار سے سیکھا۔ اور مکہ میں
ابوسفیان بن حرب کی بہن
سے نکاح کیا۔ اور ایک جماعت

الفہرست ج ۳ صفحہ ۲۲۰-۲۲۷، از محمد فرید وجدی دار المعرفۃ، بیروت لبنان۔ طبع سوم ۱۹۷۱ء

قریش کو یہ خط سکھا دیا۔ جلال الدین سیوطی نے یوں ہی ذکر فرمایا ہے۔

اس بیان سے معلوم ہوا کہ فارس و روم کے ہمسایہ عرب، یمن کے بنی حمیر اسی طرح شمال عرب کے انباط، زمانہ قدیم سے لکھنا جانتے تھے۔ اور عراق و شام کا سفر کرنے والے بعض اہل حجاز بھی کتابت سے آشنا تھے۔

ظہور اسلام کے وقت قریش کے قریباً سترہ[۱۷] آدمی کتابت سے واقف تھے ان میں حضرت علی، عمر، عثمان، طلحہ، ابوسفیان اور معاویہ بھی شامل ہیں یوں ہی کچھ اہل مدینہ اور یہود تاجرین بھی لکھنا جانتے تھے رسول اللہ۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کتابت کے فروغ پر خصوصی توجہ فرمائی، غزوہ بدر میں جب قریش کے کچھ ایسے افراد بھی گرفتار ہوئے جو کتابت سے آشنا تھے تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان میں سے ہر ایک کا یہ فدیہ قبول فرمایا، کہ وہ دس مسلمان لڑکوں کو لکھنا سکھا دے اس طریق کار سے لکھنے والوں کی ایک خاصی جماعت پیدا ہوگئی۔ اور عرب میں کتابت کو عام فروغ حاصل ہوا۔ حضرت زید بن ثابت نے بھی اسی طرح کتابت سیکھی تھی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم سے انہوں نے سریانی زبان بھی سیکھی۔

بہرحال یہ ایک روشن حقیقت ہے کہ عرب اور خصوصاً مسلمانوں میں کتابت سے آشنا افراد ضرور موجود تھے۔ جن کے ذریعہ عہد رسالت میں قرآن کی کتابت ہوتی رہی۔

کاتبان بارگاہ رسالت

رجال وسیر کی کتابوں میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کاتبوں

کے نام ملتے ہیں، مگر سب کے بارے میں یہ صراحت نہیں ملتی کہ کس نے کیا لکھا
علامہ ابن عبدالبر فرماتے ہیں۔

ابی بن کعب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کاتبان وحی میں ہیں
زید بن ثابت سے پہلے اور ان کے ساتھ بھی یہ وحی لکھا کرتے۔ البتہ زید بن ثابت
صحابہ میں سب سے زیادہ کتابت وحی کا کام کرنے والے ہیں (گویا یہی اس کے لئے
مقرر تھے) محمد بن سعد نے واقدی کی روایت سے ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدینہ تشریف آوری کے وقت ابی بن کعب سب سے
پہلے کاتب وحی ہیں، یہ نہ ہوتے تو حضور زید بن ثابت کو بلاتے۔ رسول اللہ صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں یہ دونوں حضرات وحی لکھا کرتے۔ اس کے علاوہ
خطوط، فیصلے وغیرہ بھی لکھتے۔

(کتاب الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب ج ۱ ص ۲۷۔ ذکر ابی بن کعب۔ للحافظ
ابی عمر یوسف بن عبداللہ المعروف با بن عبدالبر النمری القرطبی ۔ ۳۶۸ھ/۴۶۳ھ)

شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ نے کاتبان رسول کے نام اور
مختصر حالات مدارج النبوۃ میں بیان کیے ہیں۔ یہاں بھی اس کا ایک اختصار
قلمبند کیا جاتا ہے۔

(۱) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

زمانہ جاہلیت میں ان کا نام عبدالکعبہ تھا۔ بعض نے عبد
رب الکعبہ بتایا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کا نام عبداللہ رکھا۔
والد ابو قحافہ عثمان ہیں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دو سال چند ماہ بعد
پیدا ہوئے۔ یہ مدت ان کی مدت خلافت کے برابر ہے۔ جس سے ان کی عمر
کے تریسٹھ سال پورے ہوتے ہیں۔ ان کے خصائص و مناقب بہت ہیں۔ ۲۲ جمادی الآخرہ

سلہ ھ دوشنبہ کا دن گزار کر سہ شنبہ کی شب میں مغرب و عشار کے درمیان وصال فرمایا[1]

(۲) عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

عام الفیل کے تیرہ سال بعد یکشنبہ کی رات، پہلی محرم کو پیدا ہوئے ان کے اسلام لانے سے حق و باطل میں فرق و امتیاز اور جدائی کا اعلان ہو گیا اس لیے فاروق لقب ہوا۔ دس سال چھ ماہ خلافت رہی۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ کے مجوسی غلام ابولولو کے ہاتھ ۲۶/ ذوالحجہ ۲۳ھ چہارشنبہ کو زخم کاری لگا جس کے تیسرے دن شہادت پائی پہلی محرم ۲۴ھ یک شنبہ کے دن مدفون ہوئے۔

(۳) عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ

عام الفیل کے چھٹے سال پیدا ہوئے حضرت ابوبکر، علی، اور زید بن حارثہ کے بعد سب سے پہلے اسلام لانے والے ہیں۔ مدت خلافت بارہ سال ہے۔ ۱۸/ ذوالحجہ ۳۵ھ جمعہ کے دن شہادت پائی۔ شنبہ کی رات میں مغرب و عشار کے درمیان مدفون ہوئے۔ اس وقت ان کی عمر بیاسی سال تھی۔

(۴) علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

جاہلیت و اسلام دونوں زمانوں میں ان کا نام علی رہا۔ علامہ ابن حجر اصابہ میں اکثر اہل علم کا قول ذکر کرتے ہیں کہ یہ سب سے پہلے اسلام لانے والے ہیں۔ استیعاب میں علامہ ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ، صدیق اکبر نے اپنا اسلام فوراً ظاہر کر دیا۔ مگر حضرت علی نے اپنے باپ کی وجہ سے چھپایا۔ اسلام لانے وقت ان کی عمر دس سال تھی۔ ان کی خلافت چار سال، سات ماہ کچھ کم یا بارہ روز رہی۔

---

[1] اکمال فی اسماء الرجال۔ ولی الدین ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ الخطیب۔ بخاری کتاب الجنائز ج ۱ ص ۱۸۶۔

۱۸ ر رمضان ۴۰ھ صبح جمعہ کو ابن ملجم مرادی نے زخم لگایا جس سے تین شب بعد ۲۱ ر رمضان کو تریسٹھ سال کی عمر میں شہادت نصیب ہوئی۔[1]

(۵) طلحہ بن عبید اللہ بن عثمان

عثمان حضرت ابوبکر کے والد ابو قحافہ ہیں۔ عبید اللہ اور ابوبکر عبداللہ، حضرت ابو قحافہ عثمان کے فرزند ہیں۔ اور عبید اللہ کے فرزند حضرت طلحہ ہیں۔ تو یہ حضرت ابوبکر صدیق کے بھتیجے ہوئے۔ یہ ان آٹھ حضرات میں سے ہیں جنہوں نے قبول اسلام میں سبقت کی۔ اور ان پانچ اصحاب عظام سے جو حضرت ابوبکر صدیق کے دست پاک پر اسلام لائے عشرہ مبشرہ سے بھی ہیں۔ جنگ احد میں ان کا کارنامہ حضرت ابوبکر تک کے لئے قابل رشک رہا۔ حضرت علی کے عہد خلافت میں ۲۰ ر جمادی الآخرہ ۳۶ھ پنجشنبہ کے دن جنگ جمل میں مروان بن الحکم کے ہاتھوں وفات پائی، اس وقت ان کی عمر ساٹھ سال تھی۔

(۶) زبیر بن العوام بن خویلد رضی اللہ تعالیٰ عنہ،

عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پھوپھی حضرت صفیہ بنت عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان کی ماں ام المومنین خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان کی پھوپھی اور اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان کی زوجہ تھیں۔ سولہ سال کی عمر میں حضرت صدیق اکبر کے ہاتھ پر اسلام لائے۔ جس کی پاداش میں ان کے چچا نے انہیں چٹائی میں لپیٹ کر دھواں دیا۔ اور طرح طرح کی تکلیفیں پہنچائیں۔ مگر یہ اسلام پر قائم رہے۔ ہجرت حبشہ کی، بدر، اور دیگر غزوات و مشاہد میں شریک رہے۔ روز احد حضور کے ساتھ ثابت رہنے والوں میں ہیں یہ سب سے پہلے شخص ہیں جنہوں نے

---

[1] اکمال فی اسماء الرجال للخطیب البغدادی۔

راہ خدا میں تلوار کھینچی۔

روز جمل ۳۶ھ میں چونسٹھ سال کی عمر پا کر ابن جرموز کے ہاتھوں شہادت نصیب ہوئے پہلے وادی السباع میں مدفون ہوئے پھر وہاں سے بصرہ میں منتقل کئے گئے۔

(۷) سعد بن ابی وقاص مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ

عشرہ مبشرہ میں سب کے بعد وفات پانے والے ہیں کبار صحابہ و تابعین نے ان سے روایت کی۔ دعائے سرکار کی بدولت مستجاب الدعوات تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق کے ہاتھ پر سترہ یا انیس ۱۹ سال کی عمر میں اسلام لائے سب سے پہلے شخص ہیں جنہوں نے راہ خدا میں تیراندازی کی۔ بحکم فاروق اعظم شہر کوفہ تعمیر کیا۔ اور دَور فاروقی میں اس کے والی رہے۔

مدینہ منورہ سے دس میل دوری پر واقع عقیق نامی موضع میں اپنا دولت کدہ تعمیر کیا تھا۔ وہیں ۵۵ھ میں وفات پائی۔ اور جنت البقیع میں مدفون ہوئے اس وقت انکی عمر تہتر ۷۳ سال سے زیادہ تھی۔

(۸) عامر بن فہیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

صدیق اکبر کے آزاد کردہ غلام ہیں سفر ہجرت میں آقائے دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرت صدیق کیساتھ رہے۔ سریہ بیر معونہ میں چالیس سال کی عمر پاکر شہید ہوئے۔

(۹) ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ تعالیٰ عنہ

انصار کے قبیلہ خزرج سے تعلق رکھتے ہیں۔

خطیب رسول اللہ" صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لقب سے یاد کئے جاتے تھے۔ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم سے انہوں نے قریش کے جواب میں

خطبہ دیا تو اپنی فصاحت و بلاغت اور کمال خطابت کے سامنے قریش کو ساکت و عاجز کر دیا۔ ۱۱ھ عہد صدیقی کی جنگ یمامہ میں شہید ہوئے۔

(۱۰) خالد بن سعید بن العاص بن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

قدیم الاسلام ہیں بعض کا قول ہے کہ صدیق اکبر کے بعد سب سے پہلے قبول اسلام کیا۔ بعض تیسرے بعض چوتھے بعض پانچویں مسلمان بتاتے ہیں۔ ہجرت حبشہ میں یہ بھی تھے۔ پھر غزوہ خیبر میں حضور کے پاس حاضر ہوئے اور بعد خیبر کے غزوات و مشاہد میں شریک رہے یوم مرج الصفر یا یوم اجنادین میں وفات پائی۔[1]

(۱۱) ابان بن سعید بن العاص بن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

صلح حدیبیہ اور غزوۂ خیبر کے درمیان مسلمان ہوئے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں سریہ نجد میں بھیجا اور بحرین کا عامل بنایا۔ ارباب سیر نے خالد و ابان رضی اللہ تعالیٰ عنہما دونوں بھائیوں کو کاتبین رسول سے شمار کیا ہے۔

ان کے سال وفات میں اختلاف ہے۔ (۱) یوم مرج الصفر ۱۴ھ (۲) معرکہ اجنادین جمادی الاولیٰ ۱۲ھ یا ۱۳ھ (۳) ۲۹ھ (۴) ۲۷ھ خلافت عثمان[2]

(۱۲) حنظلہ بن الربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کتابت وحی کی خدمت انجام دینے کے باعث انہیں "حنظلۃ الکاتب" کہا جاتا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اوائل عہد خلافت میں وفات پائی۔[3]

---

[1] اصابہ ج ۱ ص ۴۰۶۔

[2] اسد الغابہ لابن اثیر علی بن محمد جزری ۵۵۵/۶۳۰ھ ج ۱ ص ۳۶۔

[3] اصابہ لابن حجر العسقلانی ۷۷۳ھ/۸۵۲ھ ج ۱ ص ۱۴۔

(۱۳) ابوسفیان صخر بن حرب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد ہیں

عام الفیل سے دس سال پہلے پیدا ہوئے۔ زمانہ جاہلیت میں سرداران قریش سے تھے۔ رؤسائے قریش کا علم ان ہی کے ہاتھوں رہا۔ فتح مکہ کے دن اسلام لائے غزوہ حنین میں شریک ہوئے۔ اٹھاسی سال کی عمر پاکر ۳۴ھ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں وفات پائی بقیع میں مدفون ہوئے۔

(۱۴) یزید بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہما

فتح مکہ کے دن اسلام لائے حضرت ابوسفیان کے

فرزندوں میں سب سے بہتر شمار ہوتے ہیں۔ انہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صدقات بنی عراس کی وصولی کا عامل بنایا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی ۱۲ھ میں انہیں عامل مقرر کیا۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دور خلافت میں انہیں فلسطین اور اس کے اطراف میں جانے والی فوجوں کا والی بنایا۔ اور حضرت معاذ بن جبل کی وفات کے بعد انہیں شام کا بھی والی بنادیا۔ ۱۸ھ میں وفات پائی۔

(۱۵) معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

یہ بھی کاتبان وحی سے ہیں۔ بعض کا قول ہے کہ صرف خطوط اور منشورات لکھا کرتے تھے

عہد فاروقی میں اپنے بھائی یزید بن ابی سفیان کے بعد شام کے حاکم ہوئے اور اس وقت سے وفات تک والی شام رہے۔ ۴۱ھ میں جب حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے انہیں خلافت سپرد کر دی تو ان کی حکومت مزید مستحکم ہوگئی اٹھتہر سال کی عمر پاکر ۸ رجب ۶۰ھ میں وصال فرمایا۔

ان کے پاس رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا تہمد، چادر، کرتا۔ کچھ ناخن

اور مو ہائے مبارک تھے۔ جن کے متعلق وقت وفات وصیت کر گئے کہ مجھے حضور کے مبارک کرتے، چادر اور تہبند میں کفن دیا جائے۔ مقدس ناخنوں اور بالوں سے میرا منہ ناک اور اعضائے سجدہ بھر دیئے جائیں۔ اور مجھے ارحم الراحمین کے سپرد کر دیا جائے۔

(۱۶) زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو ان کی عمر گیارہ سال تھی۔ ان کے صاحبزادے خارجہ روایت کرتے ہیں کہ میرے والد نے اپنے متعلق بتایا کہ مجھے سرکار کی تشریف آوری کے وقت ان کی خدمت میں حاضر کر کے عرض کیا گیا یہ بنی نجار کا ایک فرزند ہے جس نے قرآن کی سترہ سورتیں سیکھ لی ہیں اس کے بعد میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو قرآن سنایا تو انہوں نے میری قرأت پسند کی اور فرمایا۔ زید! یہود کا خط اور کتابت سیکھ لو۔ اس لئے کہ یہود کی طرف سے کتاب کے معاملے میں اطمینان نہیں۔ اس میں زیادتی و کمی کر دیا کرتے ہیں۔ تم سریانی زبان سیکھ لو۔ فرماتے ہیں۔ میں نے سیکھنا شروع کیا اور نصف ماہ نہ گزرا کہ ماہر ہو گیا۔ پھر میں لکھا کرتا۔ اور یہود سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مراسلت ہوتی۔

لوگ انہیں "کاتب رسول" صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کہا کرتے، اس لئے کہ زیادہ تر وحی کی کتابت ان ہی کے سپرد ہوتی۔ قضا، فتویٰ، فرائض اور فقہ کے اکابر علماء سے ہیں، عہد صدیقی اور عہد عثمانی میں تدوین قرآن کی خدمت ان ہی کے سپرد تھی مدینہ کے اندر ۴۵ھ میں وفات پائی۔

(۱۷) شرجیل بن حسنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حسنہ ان کی ماں کا نام ہے۔ والد کا نام عبداللہ ہے۔ عبدالرحمٰن بن حسنہ کے بھائی ہیں۔ امیر صحابی ہیں۔ ہجرت حبشہ سے مشرف ہوئے۔ ابن ماجہ نے حضور سے ان کی ایک حدیث نماز میں ترک طمانیت پر وعید سے متعلق روایت کی ہے۔ نجاشی

کے ام حبیبہ کا نکاح حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کرانے کی حدیث میں بھی ان کا ذکر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے انہیں قاصد بنا کر مصر بھیجنے کی بھی روایت ہے جب سرکار نے وصال فرمایا تو شرجیل مصر ہی میں تھے حضور سے اور عبادہ بن صامت سے انہوں نے روایت کی ہے ان سے ان کے لڑکے ربیعہ نے روایت کی ہے۔ ان کی کتابت کا کوئی تذکرہ معلوم نہ ہوا۔ یہی ہو سکتا ہے کہ مصر پیام رسانی کے وقت حضور نے ان سے کتابت کرائی ہو۔

(۱۹) علاء حضرمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مشہور صحابی ہیں۔ بحرین پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عامل تھے حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بھی انہیں وہاں کا عامل برقرار رکھا۔ یہاں تک کہ ۱۴ھ میں وفات پائی۔ قبیلہ حضرموت سے تھے، اس لئے "حضرمی" نسبت ہے۔

(۱۹) خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کی ماں لبابہ صغریٰ، حضرت عباس بن عبد المطلب کی زوجہ ام الفضل لبابہ کبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بہن تھیں ۸ھ میں غزوہ خیبر کے بعد یا غزوہ موتہ سے دو ماہ قبل اسلام لائے۔ مختلف اسلامی غزوات میں ان کے نمایاں کارنامے ہیں ۲۱ھ عہد فاروقی میں وصال ہوا۔

(۲۰) محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابہ کرام میں یہ پہلے شخص ہیں۔ جن کا نام محمد رکھا گیا قدیم الاسلام ہیں۔ مدینہ میں حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر اسلام لائے تبوک کے سوا تمام غزوات و مشاہد میں شریک ہوئے تبوک میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں مدینہ میں چھوڑ دیا تھا۔ جمل اور صفین کے نزاعات سے کنارہ کش اور گوشہ نشین رہے ۴۶ھ یا ۴۷ھ میں ستہتر برس کی عمر پاکر

وصال فرمایا۔

(۲۱) عبداللہ بن رواحہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

سابقین اولین سے ہیں بیعت عقبہ بدر، احد، خندق اور اپنی زندگی کے تمام غزوات و مشاہد میں شریک ہوئے ۸ھ جنگ موتہ میں شہادت سے سرفراز ہوئے یہ دربار رسالت کے ان شعراء سے ہیں جنہوں نے اپنے اشعار سے ناموس رسول کی حمایت، اور کفار کی مذمت کی سرکار کی مدح میں ان کا یہ شعر بہت خوب ہے ؂

لو لم تکن فیہ ایۃ بینۃ
کانت بدیھتہ بینئک بالخبر

(۲۲) مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

مشہور صحابی ہیں۔ غزوۂ خندق کے سال اسلام لائے بصرہ پھر کوفہ کے والی رہے۔ وہیں ۵۰ھ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں وفات پائی۔

(۲۳) عمرو بن العاص بن وائل قرشی رضی اللہ عنہ

۸ھ میں اسلام لائے۔ ایک قول یہ ہے کہ ۵ھ میں مسلمان ہوئے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں عمان کا والی بنایا۔ فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں مصر فتح کیا اور والی مصر رہے۔ حضرت عثمان کے اواخر عہد خلافت میں معزول رہنے کے بعد، پھر حضرت معاویہ کے زمانے میں والی مصر ہوئے وہیں ۴۳ھ میں نوے سال کی عمر پاکر وصال فرمایا۔

(۲۴) عبداللہ بن عبداللہ بن ابی بن سلول رضی اللہ تعالیٰ عنہ

یہ عبداللہ بن ابی سردار منافقین کے فرزند ہیں۔ اپنے باپ کے برخلاف،

مسلمان اور عاشق رسول تھے، بدر اور تمام غزوات و مشاہد میں شریک رہے دَور صدیقی کی جنگ یمامہ میں شہید ہوئے۔

(۲۵) جہم بن سعد اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

قضاعی اور قرطبی نے انہیں بھی کاتبان رسول سے شمار کیا ہے لکھا ہے کہ یہ اور حضرت زبیر اموال صدقہ لکھا کرتے۔

(۲۶) جہیم بن الصلت رضی اللہ تعالیٰ عنہ

استیعاب میں ہے کہ فتح خیبر کے سال اسلام لائے اصابہ میں ہے کہ کاتب رسول تھے۔ مغازی ابن اسحٰق میں ہے کہ جہیم اور زبیر اموال صدقہ لکھا کرتے تھے۔

(۲۷) ارقم بن ابی ارقم مخزومی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

یہ ساتویں مسلمان ہیں بدری صحابی اور مہاجرین اولین سے بھی ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قریش سے روپوش ہو کر کوہ صفا پر واقع انہی کے گھر میں مقیم تھے۔ وہیں سے لوگوں کو دعوت اسلام دیتے یہاں تک کہ فاروق اعظم کے اسلام لانے سے چالیس کی تعداد پوری ہوگئی۔ اور سرکار باہر تشریف لائے۔

انہوں نے مدینہ کے اندر اسّی سال سے زائد عمر پاکر ۵۵ھ میں جان، جان آفرین کے سپرد کی۔

(۲۸) عبداللہ بن زید بن عبد ربہ انصاری خزرجی رضی اللہ تعالیٰ عنہما

یہ وہ بزرگ صحابی ہیں جنہوں نے ۱ھ میں، اذان خواب میں دیکھی اور بحکم رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت بلال کو سکھائی۔ اور نماز

کے لئے اذان کا طریقہ اعلان جاری ہوا۔ بیعت عقبہ، بدر اور دوسرے غزوات ومشاہد میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ حاضر رہے ۳۲ھ میں جو نسٹھ سال کی عمر پا کر وصال فرمایا۔

(۲۹) **علاء بن عقبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ** اصابہ میں ہے کہ مستغفری نے انہیں صحابہ میں شمار کیا ہے۔ اور تاریخ معتصم بن صادح میں ہے کہ علاء اور ارقم معاہدے اور معاملات لکھا کرتے تھے

(۳۰) **ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ،** ان کا نام خالد بن زید ہے بیعت عقبہ، بدر اور تمام غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔
۵۰ھ یا ۵۱ھ حضرت معاویہ کے زمانہ حکومت میں قسطنطنیہ میں وفات پائی۔ سرحد قسطنطنیہ کے قریب، ان کی قبر مبارک، زیارت گاہ خلائق ہے۔

(۳۱) **حذیفہ بن الیمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ،** یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صاحب اسرار ہیں مسلم شریف میں ان کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قیامت تک ہونے والے تمام واقعات وحوادث اور فتنے بتا دیئے ان ہی کا قول ہے کہ قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک کہ ہر قبیلہ کے سردار اس کے منافقین نہ ہو جائیں۔ ۳۵ھ میں شہادت حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چار شب بعد مدائن میں وفات پائی۔ ان کی قبر مبارک وہیں ہے۔

(۳۲) **بریدہ ابن الحصیب مازنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ** بدر سے پہلے اسلام لائے مگر بدر میں نہ تھے

حدیبیہ اور بیعت الرضوان میں حاضر رہے مدینہ کے باشندے تھے۔ وہاں سے بصرہ منتقل ہو گئے۔ پھر جنگ میں خراسان جانا ہوا۔ وہیں یزید بن امیر معاویہ کے زمانے ۶۲ھ میں بمقام مرو وفات پائی۔

(۳۳) حصین بن نمیر بن فاتک رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ابو علی مسکویہ نے اپنی کتاب تجارب الامم میں حصین بن نمیر کا نام کاتبین رسول میں ذکر کیا ہے۔ اسی طرح عباس بن محمد نے معتصم کے لئے مرتب کردہ اپنی تاریخ میں ان کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مغیرہ بن شعبہ اور حصین بن نمیر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے معاملات و مداینات لکھا کرتے۔

(۳۴) عبداللہ بن ابی سرح سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ابتداءً کتابت وحی کی پھر مرتد ہو کر کفار کا ساتھ اختیار کیا پھر توبہ کی اور حضرت عثمان کی سفارش پر حضور نے فتح مکہ کے سال معافی دی فتح مصر میں شریک رہے ۳۶ھ یا ۳۷ھ میں وفات پائی۔ ابن مندہ نے ۵۷ھ میں وفات بتائی ہے۔

استیعاب میں علامہ ابن عبدالبر فرماتے ہیں۔ عبداللہ بن سعد نے توبہ کی اسلام لائے اور ان کا اسلام خوب وبہتر ہوا۔ اس کے بعد کوئی قابل نکیر چیز سرزد نہ ہوئی۔ قریش کے نجبا وعقلا سے تھے۔ یہ بھی منقول ہے کہ رملہ کی طرف آئے اور وقت صبح دعا کی۔ خداوندا میری آخری عمر نماز صبح میں صرف ہو۔ پھر وضو کیا۔ نماز ادا کی۔ داہنی طرف سلام پھیرا۔ بائیں طرف سلام پھیرنا چاہا کہ روح قبض ہو گئی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۳۵) ابوسلمہ بن عبدالاسد قرشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ان کا نام عبداللہ بن عبدالاسد ہے ابوسلمہ کی کنیت سے مشہور ہوئے۔ ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا پہلا عقد ان ہی سے ہوا تھا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے رضاعی اخوت کا رشتہ رکھتے ہیں سابقین اولین سے تھے دس آدمیوں کے بعد اسلام لائے۔ بعد احد ۴ھ میں وفات پائی ہجرت حبشہ سے بھی مشرف ہوئے اپنی زوجہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ۔ مدینہ ہجرت کرنے والے سب سے پہلے شخص ہیں ان کی جان کنی کے وقت سرکار نے یہ دعا کی۔

اللھم اغفر لابی سلمۃ وارفع درجتہ فی المھدیین واخلفہ فی عقبہ فی الغابرین واغفرلنا ولہ یارب العلمین وافسح لہ فی قبرہ ونورلہ۔	خداوندا! ابوسلمہ کی مغفرت فرما اور ہدایت یافتہ لوگوں میں اس کا درجہ بلند فرما۔ اس کے پسماندگان میں اس کا بہتر بدل مقرر فرما۔ اے رب العالمین! ہمیں اور اسے اپنی رحمت سے چھپالے اور اس کے لئے اس کی قبر میں کشادگی و روشنی کر دے۔

(مسلم شریف ج ۱ ص ۳۰۰ کتاب الجنائز)

(۳۶) حویطب بن عبدالعزیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

فتح مکہ کے وقت اسلام لانے والوں میں سے ہیں۔ اس وقت ان کی عمر ساٹھ سال تھی۔ حنین اور طائف میں حاضر ہوئے ان کا اسلام خوب اور بہتر ہوا۔ امام بخاری نے تاریخ میں ذکر کیا ہے کہ وقت وفات

ان کی عمر ایک سو بیس [۱۲۰] سال تھی

(۳۷) حاطب بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ

استیعاب میں ابن عقبہ سے منقول ہے کہ یہ حاضرین بدر سے ہیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دار ارقم میں داخل ہونے سے پہلے اسلام لائے حبشہ کو دو ہجرتیں کیں۔ زہری نے بالجزم کہا ہے کہ حبشہ سب سے پہلے ہجرت کرنے والے یہی ہیں۔

(۳۸) ابن خطل

پہلے اس کا نام عبد العزیٰ تھا، فتح مکہ سے پہلے مدینہ آکر مسلمان ہوا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کا نام عبد اللہ رکھا اور ایک قبیلہ کی طرف وصولی زکوٰۃ کے لیے بھیجا، یہ مرتد ہو گیا اور صدقہ کے جانور لے کر مکہ چلا گیا قریش سے کہا میں نے تمہارے دین سے بہتر کوئی دین نہ پایا، بحکم سرور کائنات فتح مکہ کے دن خانہ کعبہ کے پردوں سے لپٹا ہوا قتل کیا گیا۔ ہو سکتا ہے اس نے قبل ارتداد کتابت کی ہو۔ مگر کہیں اس کی صراحت نہیں ملتی۔

(۳۹) ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

جلیل القدر صحابی ہیں سرکار کے زمانے میں حفظ قرآن کی تکمیل کی مدینہ میں سب سے پہلے کاتب وحی یہی ہیں۔ فقہائے صحابہ میں ان کا بھی شمار ہے۔ بہترین قاری تھے۔ بحکم الٰہی حضور نے ان کو قرآن سنایا خط کے آخر میں "کتبہ فلان بن فلان" سب سے پہلے لکھنے والے یہی ہیں۔ خلافت عثمانی ۳۰ھ میں وفات پائی۔

(۴۰) عبد اللہ بن ارقم قرشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

فتح مکہ کے سال اسلام لائے ان کی امانت داری پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اتنا اعتماد تھا کہ انہیں بادشاہوں کے نام خطوط لکھنے کا حکم دیتے اور یہ نہ فرماتے کہ کیا لکھیں اور ان کے لکھنے کے بعد بغیر پڑھے مہر کر دیتے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد حضرات شیخین ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے کاتب رہے۔ حضرت عمر و عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے زمانے میں بلا اجرت ولایت بیت المال کی خدمت انجام دی خلافت عثمانی میں وفات پائی۔

(۴۱) معیقیب بن ابی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

سابقین اولین سے ہیں حبشہ کی ہجرت ثانیہ سے مشرف ہوئے اور وہیں مقیم رہے۔ پھر خیبر میں یا اس سے پہلے مدینہ میں سرکار کے پاس حاضر ہوئے، حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نے انکو مدینہ میں بیت المال کا والی بنایا۔ آخر خلافت عثمانی میں وفات پائی۔

(مدارج النبوت ج ۲ ص ۵۳۰ تا ۵۶۰ مطبع منشی نولکشور لکھنؤ)

کتابت وحی

قرآن حسب ضرورت و مصلحت نازل ہوتا۔ کبھی پانچ آیات۔ کبھی دس کبھی کم و بیش۔ قصہ افک میں یک بارگی دس آیات کا نزول اسی طرح۔ سورۂ مومنون کی ابتدائی دس آیات کا ایک ساتھ نزول، صحیح روایات میں مذکور ہے یوں ہی تنہا "غیر اولی الضرر" (پ ۵ ع ۱۰، آیت ۹۵) کا نزول روایت صحیحہ سے ثابت ہے اور یہ جزو آیت ہے۔ وان خفتم عیلۃ فسوف یغنیکم اللہ (الآیہ) پ ۱۰ ع ۱۰ آیت ۲۸) کا نزول بھی اول آیت کے نزول کے بعد ہوا یہ بھی جزو آیت ہے (اتقان ج ۱ نوع ۱۶ ص ۴۲-۴۳)

بہر حال جتنا بھی قرآن نازل ہوتا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کی کتابت کرا لیتے ــــــ امام احمد ابو داؤد، ترمذی، نسائی، ابن المنذر، ابن ابی داؤد، ابن الانباری، ابو عبید، نحاس، ابن حبان، ابو نعیم، ابن مردویہ، راوی ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا۔

کان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تنزل علیہ السور ذوات العدد فکان اذا انزل علیہ الشئ دعا بعض من کان یکتب فیقول ضعوا ھٰؤلاء الآیات فی السورۃ التی یذکر فیھا کذا وکذا

(کنز العمال ج ۱ ص ۲۸۱)

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر متعدد سورتیں نازل ہوئیں، تو جب ان پر کچھ نازل ہوتا تو کسی لکھنے والے کو بلا کر فرماتے یہ آیات اس سورہ میں لکھو جس میں ایسا ایسا ذکر ہے۔

- - - - - - - - - - - - - - - -

حاکم نے مستدرک میں اسے روایت کر کے فرمایا۔ ھٰذا حدیث صحیح الاسناد۔ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ (مستدرک ج ۲ ص ۲۲۱ و ۲۳۰)

دوسری حدیث حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے۔ جسے حاکم نے شیخین کی شرط پر صحیح بتایا ہے۔

قال کنا عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نؤلف القرآن من الرقاع۔ (مستدرک ج ۲ ص ۲۳۰) جامع ترمذی

ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس قرآن چرمی پارچوں سے جمع کرتے۔

عارف باللہ حضرت حارث محاسبی (م ۲۴۳ھ) فرماتے ہیں۔

کتابۃ القرآن لیست بمحدثۃ فانہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

قرآن کی کتابت زمانۂ رسول کے بعد کی پیدا شدہ چیز نہیں۔ بلکہ خود رسول

كان يامر بكتابته ولكنه كان مفرقا في الرقاع والاكتاف والعسب۔
(اتقان ج١، نوع ١٨ ص ٦٠)

اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قرآن کی کتابت کراتے تھے لیکن اس وقت قرآن چمڑی پارچوں (اونٹ کے مونڈھوں کی) ہڈیوں اور کھجور کی شاخوں میں لکھا ہوا منتشر تھا۔

ان بیانات سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے میں جتنا قرآن نازل ہوتا وہ قید تحریر میں آجاتا۔ اس طرح سرکار کے زمانے ہی میں پورا قرآن لکھا جاچکا تھا۔ مگر ترتیب آیات وسور کے ساتھ یکجا نہ تھا۔

فتح الباری، عمدۃ القاری، ارشاد الساری، اتقان میں بالفاظ متقاربہ ہے

قد كان القرآن كله كتب في عهد رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم لكن غير مجموع في موضع واحد ولا مرتب السور۔

عہد رسالت میں پورا قرآن لکھا جاچکا تھا۔ لیکن یکجا اور سورتوں کی باہمی ترتیب کے ساتھ نہ تھا۔

بہر حال یہ دعویٰ کہ قرآن عہد رسالت کے بعد لکھا گیا ہرگز صحیح نہیں بلکہ پورے قرآن کی کتابت عہد رسالت ہی میں ہوچکی تھی۔ اور اسی کتابت کی بنیاد پر عہد صدیقی اور عہد عثمانی میں قرآنی خدمت انجام دی گئی۔

فرق یہ ہے کہ عہد رسالت میں قرآن علیحدہ علیحدہ اوراق میں تھا۔ عہد صدیقی میں علیحدہ علیحدہ صحیفوں میں الگ الگ سورتیں لکھی گئیں۔ اور عہد عثمانی میں ایک مصحف کے اندر تمام آیات وسُوَر مرتب ہوئیں مگر اس سے یہ نہیں سمجھ لینا چاہیے کہ زمانہ نبوی میں اگر کتابۃً اوراق میں قرآن مرتب نہ تھا تو حفظاً سینوں میں بھی مرتب نہ تھا۔

آگے معلوم ہوگا کہ قرآن کی آیتوں اور سورتوں کے درمیان جو ترتیب عہد صدیقی اور عہد عثمانی میں صحف و مصاحف کے اندر قائم ہوئی یہ وہی ترتیب ہے جو بعہد رسالت سینہ حفاظ میں تھی۔ اور جسے صحابہ کرام نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعلیم و توقیف سے حاصل کیا تھا۔

اشیاء کتابت

رہا یہ اعتراض کہ اس زمانے میں کاغذ دستیاب نہ تھا تو پھر کتابت کس چیز پر ہوتی ہے؟ — میں کہوں گا یہ اعتراض بھی تاریخ و حدیث سے بے خبری کی پیداوار ہے؟ اس وقت عرب میں کاغذ کی صنعت اور درآمد نہ تھی تو کیا اس سے یہ لازم ہوگا کہ ایسی کوئی دوسری چیز بھی نہ تھی جس پر کتابت ہو سکے۔؟

یہ ثابت ہو چکا کہ اس زمانے میں کتابت ہوتی تھی۔ کتابیں بھی تھیں۔ خیبر، مدینہ اور دیگر مقامات میں یہود کے بہت سے اجتماعی و انفرادی کتب خانے تھے۔ تو اگر کوئی سامان کتابت نہ تھا تو وہ ساری کتابیں اور تحریریں معرض وجود میں کیسے آئیں؟ قرآن ہی میں یہود سے متعلق فرمایا گیا۔

كمثل الحمار يحمل اسفارًا — گدھے کی طرح بڑی بڑی کتابیں لادے ہوتا ہے۔

معلوم ہوا کہ اس زمانے میں کتابت اور کتابیں تھیں تو اشیاء کتابت بھی ضرور تھیں۔ اب ہمیں یہ معلوم کرنا ہے کہ قرآن کی کتابت کس چیز پر ہوتی تھی۔ اس سلسلے میں جن چیزوں کے نام احادیث سے دریافت ہوتے ہیں وہ یہ ہیں۔ ادیم، لخاف، کتف، اقتاب، رقاع۔

یہ سب کیا چیزیں تھیں؟ اس کی قدرے وضاحت ضروری ہے جس سے معلوم ہوگا کہ یہ اشیاء کتابت کے لیے بہت زیادہ اور کاغذ کی بہ نسبت زیادہ درشت

زمانہ کے مقابلے میں زیادہ پائدار تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ عہد صدیقی میں جب حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے "تدوین ثانی" شروع کی۔ تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی املا کرائی ہوئی سورتیں اور آیتیں ان کو بعینہ مل گیئں جن میں بعض تحریروں پر یقیناً تیئس[۲۳] برس کی مدت گزر چکی تھی۔

ادیم :۔ عام طور سے اس کا ترجمہ چمڑا کیا جاتا ہے مگر "ادیم" ہر چمڑے کو نہیں کہتے۔ بلکہ یہ وہ چمڑا ہے جو دباغت کے بعد باریک کھالوں سے بنایا جاتا۔ اور عرب جیسے گوشت خور ملک میں بکثرت دستیابی کے باعث آسانی و فراوانی کے ساتھ کتابت کے کام میں لایا جاتا۔ اس کی مثال ہمارے زمانے کے پارچمنٹ (Parchment) کی ہے۔

لخاف :۔ لخفہ کی جمع ہے، جس کا معنی پتھر بتایا جاتا ہے مگر اس کی نوعیت عام پتھروں کی نہ تھی۔ بلکہ یہ سفید رنگ کی چوڑی چوڑی تختیاں ہوتیں جو عمدگی سے بنتیں اور کتابت میں استعمال ہوتیں جیسے موجودہ زمانے میں لکھنے کا سلیٹ ہوتا ہے فرق صرف رنگ کا ہے۔

کتف :۔ اونٹ کے مونڈھے کے پاس کی وہ ہڈی، جو خاص انداز سے تراش کر نکالنے سے طشتری کی طرح بن جائے۔ یہ بھی اپنی صفائی و عمدگی کے باعث مصرف کتابت کے لئے موزوں ہوتی۔

عسیب :۔ کھجور کی شاخوں میں تنے سے متصل کشادہ حصے کو کہتے ہیں جسے شاخ سے جدا کر کے خشک کر لیتے اور اس کے ٹکڑے لکھنے کے کام میں لاتے۔

اقتاب :۔ اونٹ کے کجاوں کے چوڑے چوڑے پتلے پتلے تختوں کو کہتے ہیں جو کثرت استعمال کے باعث صاف اور چکنے ہو جانے کی وجہ سے بآسانی مصرف کتابت میں لائے جاتے۔

رقاع :- چرمی پارچوں ۔ اور کاغذ یا پتے کے ٹکڑوں کو کہتے ہیں یہ بھی ۔
کتابت کے لئے استعمال ہوتے ۔ (اتقان و حاشیہ بخاری وغیرہ

عہد رسالت میں کتابۃً ترتیب قرآن کیوں نہ ہوئی؟

اب یہ سوال رہ جاتا ہے کہ عہد رسالت میں سورتوں اور آیات میں کتابۃً ترتیب کیوں نہ ہوئی؟ ۔ اس کا جواب ظاہر ہے کہ اس وقت نزول قرآن کی تکمیل ہی نہ ہوئی تھی تو ترتیب کیونکر ہوتی ۔ اور جب نزول کی تکمیل ہوئی تو اتنی مدت باقی نہ تھی کہ سب کی یکجا ترتیب ہو سکے۔

سب سے آخر میں واتقوا یومًا ترجعون فیه الی اللہ ثم توفی کل نفس ما کسبت وھم لا یظلمون ٥ (بقرہ پ۳ ع ٦) نازل ہوئی جس کے بعد باختلاف روایات رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تین ساعات یا سات ایام یا نو راتیں یا اکیس روز دنیا میں تشریف فرما رہے ۔ ان ہی اوقات و ایام میں مرض وفات بھی ہے ظاہر ہے کہ یہ مدت اور یہ حالت اس عظیم کام کے لئے کافی نہ تھی ۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں بعض آیات منسوخ بھی ہوتیں اور جب نسخ کا امکان تھا تو ترتیب کیونکر ہوتی ۔ یوں ہی نزول قرآن اصل ترتیب آیات و سور کے مطابق نہ ہوتا بلکہ حسب ضرورت و مصلحت مختلف مقامات کی متعدد آیات یا ایک آیت یا سورت یا جز، آیت نازل ہوتی رہتی ۔ پھر بالترتیب ان سب کی کتابت کیسے ہوتی؟ ۔ کسی سورہ میں پہلے کی آیات، بعد میں اور بعد کی پہلے نازل ہوتیں ۔ یہی حال سورتوں کے نزول کا ہے۔

اب اگر نزول کے مطابق یکجا کتابت ہوتی جاتی تو ایک آیت کہیں، اوراس سے متصل دوسری آیت کہیں، یا آدھی آیت ایک جگہ، اور آدھی دوسری جگہ، یا اکثرآیت کسی مقام پر اوراس کا ایک جزدوسرے مقام پر ملتا۔ نہ آیات کی تعیین ہو پاتی نہ ان کی معانی واحکام کی۔

اسی طرح چند سورتوں میں امتیاز قائم نہ ہوتا۔ ایک سورہ میں دوسری سورہ کی آیات، اور دوسری میں پہلی یا کسی اور سورہ کی آیات آجاتیں۔ جو سورہ پوری ایک ساتھ نازل ہوتی وہ تو متعین ہو جاتی اور باقی سورتیں متعین ہی نہ ہوتیں اس لئے نزول قرآن کے ساتھ صحیفہ یا مصحف کی شکل میں ترتیب قرآن کا امکان ہی نہ تھا۔

ترتیب نزول، ترتیب قرأت سے جدا کیوں؟

یہاں طبعی طور پر ذہنوں میں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ پھر قرآن اصل ترتیب کے مطابق ہی کیوں نہ نازل ہوا۔ اشارۃً اس کا جواب بارہا گزر چکا کہ نزول قرآن تدریجاً اور ضرورت ومصلحت کے مطابق ہوتا۔ حکمت الٰہیہ مقتضی تھی کہ مثلاً پہلے اسلام وایمان کے اصول ومبادی اور کفروشرک کی خرابیاں بیان ہوں، تاکہ اوّلاً توحید ورسالت اور ایمان وعقائد دلوں میں راسخ ہو جائیں۔ پھر آیات احکام کا نزول ہو۔ نفاذ احکام میں بھی یہ حکمت ملحوظ رکھی گئی کہ اگر تمام احکام تکلیفیہ ایک ساتھ نافذ کئے گئے تو تمام لوگوں پر گراں ہوں گے ان کے حقائق وتفصیلات اور مصالح واسرار کا سمجھنا، یاد رکھنا ان پر رسوخ ۔ عمل کرنا بھی دشوار ہوگا۔ اس لئے آیات احکام بھی تدریجاً نازل ہوئیں۔

ہاں جب لاکھوں صحابہ کی ایک عظیم جماعت عقائد اور احکام، اصول اور فروع

علوم اور اعمال میں راسخ ہوکر اگلے ادوار کے لئے نمونہ بن چکی، اور دین کی تکمیل ہوگئی تو انہیں دیکھ کر اور ان سے سیکھ کر بعد والوں کے لئے ایمان و عقائد میں صلابت ومسائل میں کمال اور اعمال و علوم میں ثبات و رسوخ کی راہ کھل گئی اور پورے قرآن کو اس کی اصل ترتیب کے ساتھ سیکھنا پڑھنا اور اس کے احکام پر عمل کرنا ان کے لئے آسان ہوگیا۔

قرآن وحدیث اور تاریخ وسیر کی کتابیں شاہد ہیں کہ عہد رسالت کے اواخر اور زمانہ خلفاء و تابعین میں جو لوگ بھی داخل اسلام ہوتے ان پر جملہ احکام دین کی پابندی ابتداءً ہی لازم ہوتی اور قبول اسلام کے ساتھ ہی وہ عقائد و اصول کی طرح تمام احکام تکلیفیہ کے لئے بھی خود کو آمادہ و تیار پاتے۔

بر خلاف اس کے اوائل نزول اور ابتدائے اسلام میں لوگوں کے لئے صرف قبول اسلام اور کلمۂ شہادت کی تصدیق انتہائی مشکل اور دشوار تھی۔ ابائی دین کا بطلان قلب میں راسخ ہوگیا تو بھی قبول اسلام کے ساتھ کفار کے شدائد و مظالم کی برداشت کے لئے دل و دماغ کا آمادہ ہونا نہایت اہم مرحلہ تھا۔ ان حالات میں اگر ابتداءً احکام تکلیفیہ کا بھی نفاذ ہوتا تو کتنے افراد کے لئے یہ احکام ہی قبول اسلام کی راہ میں رکاوٹ بن جاتے مختصر یہ کہ

مختصر یہ کہ اسرار و حکم، ربط باہم اور بے حد و نہایت معانی و رموز پر مشتمل قرآن حکیم کی ایک اصلی ترتیب یقیناً تھی۔ وہی زمانہ مابعد میں جاری ہوئی۔ اور اسی ترتیب پر یہ لاثانی کتاب لوح محفوظ میں بھی ثبت تھی اور ہے۔ مگر اس کے مشتملات کے نزول اور اس کے قوانین و احکام کے لئے حکمت و ضرورت اسی طریقۂ تنزیل اور ترتیب نزول کی متقاضی تھی جو رب کریم کی طرف سے اس وقت عالم ظہور میں آئی۔

ہاں کتابۃً نہیں بلکہ حفظاً دور رسالت ہی میں قرآن کی اصل ترتیب بھی قائم ہوتی

گئی اور یہ ترتیب قرآن کے دَورہ اخیر اور تکمیل نزول پر مکمل ہوئی۔ اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے تحصیل کے بعد سینۂ حفاظ میں محفوظ رہی۔ ان ہی کے ذریعہ اس کی تعلیم و ترویج بھی ہوتی رہی ___ جب خلفاء کرام کا دور آیا تو قرآن کے حافظ حقیقی نے ان خلفاء کے کئے صحیفوں اور مصحف کی شکل میں ترتیب قرآن کے داعیے پیدا کئے اور انہوں نے بتدریج اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا ___ والذی انزل القرآن اعلم بمصالح عبادہ، وحکم کتابہ واسرار تنزیلہ۔

قرآن کی تدوین ثانی

اور

عہد صدیقی کی قرآنی خدمت

یہ بیان گزر چکا کہ عہد رسالت میں پورے قرآن کی کتابت ہو چکی تھی۔ مگر اسوقت تک آیات قرآنیہ چرمی پارچوں، سنگی تختیوں اور دوسری چیزوں میں منتشر اور غیر مرتب تھیں مرتب اور یکجا اگر تھیں تو حفاظ کے سینوں میں۔ مگر مسلمان ایک ایسے معرکے سے دو چار ہوئے کہ قرآن کی یکجا کتابت ناگزیر ہو گئی۔

تاریخ دانوں کو معلوم ہے کہ مسیلمہ کذاب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے ہی میں دعوئ نبوت کر چکا تھا۔ وفات سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد جب بہت سے قبائل عرب اسلام سے منحرف ہوئے تو مسیلمہ بھی زور پکڑ گیا اس کے شر و فتنہ کی مدافعت کے لیے ۱۱ھ میں امیر المومنین صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کی سرکردگی میں کثیر جماعت صحابہ پر مشتمل ایک فوج بھیجی جس نے مسیلمہ اور اس کے حامیوں سے سخت معرکہ آرائی کی۔ مسیلمہ خائب و خاسر ہوا اور قتل کیا گیا تاریخ میں یہ معرکہ جنگ یمامہ کے نام سے مشہور ہے اس جنگ میں قریبًا بارہ سو صحابہ کرام شہید ہوئے۔ عینی و مرقات میں ہے کہ صرف حفاظ شہداء کی تعداد سات سو تک تھی۔ یہ تعداد اس زمانہ کے لحاظ سے کچھ بعید از قیاس نہیں

کیونکہ اس وقت صحابہ کی تعداد تقریباً سوا لاکھ تک پہنچ چکی تھی۔ امورِ خیر میں ان کے معروف جذبۂ مسابقت اور حفظ قرآن کی ضرورت، فضیلت اور اہمیت کے پیش نظر اس دور میں ہزار ہا ایسے افراد کا پیدا ہو جانا جنہیں پورا یا اکثر قرآن یاد ہو۔ کوئی بعید نہیں۔ ان حالات میں ایک عظیم جماعت سے سات سو حفاظ کا شہید ہو جانا بالکل قرین قیاس ہے۔

بہرحال اس معرکے میں حفاظ قرآن کی اتنی کثیر تعداد میں شہادت ہوئی کہ یہ ایک ایسا دل گداز واقعہ بن گیا جس نے صحابہ کے ارباب حل وعقد کو چونکا دیا۔ قرآن کی یکجا کتابت لازمی سمجھی گئی۔ اور خلافت اسلامیہ کی نگرانی میں قرآن کی تدوین ثانی کا کام شروع ہوا۔

امام احمد، امام بخاری، ترمذی، نسائی، ابن حبان (فی الصحیح) طبرانی (فی الکبیر) ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی داؤد (فی المصاحف) ابوداؤد طیالسی، ابن سعد اور عدنی نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے تدوین ثانی کی تفصیل یوں روایت کی ہے۔ فرماتے ہیں۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جنگ یمامہ کے بعد میرے پاس آدمی بھیج کر مجھ کو طلب فرمایا میں ان کے یہاں حاضر ہوا تو حضرت عمر بھی وہاں موجود تھے، حضرت ابوبکر نے مجھ سے فرمایا، عمر نے مجھ سے آکر کہا کہ جنگ یمامہ میں حفاظ قرآن کی بڑی شدید خونریزی ہوئی ہے مختلف معرکوں میں حفاظ کی شہادت کا یہی نقشہ رہا تو مجھے اندیشہ ہے کہ بہت سارا قرآن (ان کے ساتھ ہی) چلا جائے۔ میری رائے تو یہ ہے کہ آپ "جمع قرآن" کا حکم دیں۔ اس پر میں نے عمر سے کہا ہم کوئی ایسا کام کیسے کر سکتے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نہیں کیا۔ عمر نے کہا ھو واللہ خیر۔ بخدا یہ کام تو بہتر ہی ہے۔ عمر مجھ سے اس معاملے میں گفت وشنید کرتے رہے یہاں تک کہ

اس کے لئے اللہ نے میرا سینہ بھی کھول دیا اور میری رائے بھی وہی ہوگئی جو عمر کی تھی۔

حضرت زید بن ثابت فرماتے ہیں۔ صدیق اکبر نے مجھ سے فرمایا، تم عقلمند جوان ہو، تم پر ہماری کوئی تہمت بھی نہیں ہے تم تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کاتب وحی تھے۔ تم تلاش و تتبع اور چھان بین کر کے قرآن جمع کرو۔ ،،

حضرت زید فرماتے ہیں۔

فواللہ لوکلفونی نقل جبل من الجبال ماکان اثقل مما امرنی بہ من جمع القرآن	خدا کی قسم! اگر مجھے پہاڑ ایک جگہ سے دوسری جگہ لیجانے کا حکم دیتے تو یہ مجھ پر "جمع قرآن" کی اہم ذمہ داری سے زیادہ گراں نہ ہوتا۔

میں نے عرض کیا آپ حضرات ایک ایسا کام کیسے کریں گے جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نہیں کیا۔ صدیق اکبر نے جواب دیا ھو واللہ خیر خدا کی قسم! یہ کام تو بہتر ہی ہے۔

فلم یزل یراجعنی ابوبکر حتی شرح اللہ صدری للذی شرح لہ صدر ابی بکر و عمر۔ فتتبعت القرآن اجمعہ من العسب واللخاف وصدور الرجال۔	اس پر ان سے میری گفت و شنید جاری رہی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے میرا سینہ بھی اس کام کے لئے کھول دیا جس کے لئے ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا سینہ کھول دیا تھا۔ تو تلاش و تتبع اور چھان بین کر کے میں درخت خرما کی شاخوں، سنگی تختیوں اور آدمیوں کے سینوں سے قرآن جمع کرنے لگا

یہاں تک کہ سورۂ توبہ کا آخری حصہ لقد جاءکم رسول من انفسکم عزیز علیہ ما عنتم سے آخر سورہ تک (کل دو آیتیں) میں نے حضرت ابوخزیمہ[1] انصاری کے پاس پایا۔ ان کے علاوہ اور کسی کے پاس نہ پایا۔ اس تدوین سے صحیفے تیار ہو گئے (ہر سورۂ ایک الگ صحیفے میں تھی اس طرح سورۂ کی تمام آیات یک جا ہو گئیں) یہ صحیفے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زندگی میں ان ہی کے پاس رہے ان کے بعد حضرت عمر کے پاس آئے ان کی شہادت کے بعد ام المومنین حضرت حفصہ بنت فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس رہے۔

(بخاری ج ۲ ص ۷۴۶، کنز العمال ج ۱ ص ۲۷۹)

---

[1] بعض روایات میں خزیمہ بن ثابت ہے، مگر فتح الباری میں فیصلہ یہ کیا ہے کہ عہد عثمانی میں جن کے پاس آیت احزاب ملی وہ خزیمہ بن ثابت انصاری ہیں اور عہد صدیقی میں آخر سورۂ توبہ جن کے پاس ملی وہ ابوخزیمہ بن اوس ہیں علامہ قسطلانی نے بھی علامہ ابن حجر ہی کی تائید فرمائی اور بتایا ہے کہ یہ اپنی کنیت ہی سے مشہور ہیں نام دریافت نہ ہوا۔ علامہ علاؤالدین علی بن محمد بن ابراہیم بغدادی معروف بہ خازن اپنی تفسیر لباب التاویل فی معانی التنزیل کے مقدمہ میں فرماتے ہیں۔ حدیث اول میں ابوخزیمہ بن اوس بن زید بن اصرم بن ثعلبہ بن عمر بن مالک بن بخار انصاری ہیں جو بدر اور اس کے بعد کے غزوات ومشاہد میں شریک ہوئے۔ خلافت عثمانی میں وفات پائی ان ہی کے پاس آخر سورۂ توبہ ملی۔ علامہ ابن عبدالبر نے یوں ہی ذکر فرمایا ہے اور حدیث ثانی میں ابو عمارہ خزیمہ بن ثابت بن الفاکہ بن ثعلبہ بن ساعدہ خطمی اوسی انصاری ہیں جو صاحب شہادتین سے مشہور ہیں۔ بدر اور مابعد کے غزوات ومشاہد میں شریک ہوئے جنگ صفین ۳۷ھ میں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ تھے۔ اسی میں اپنے حریف کے ہاتھوں وفات پائی۔

تدوین ثانی کے خصائص

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قرآن کی تدوین اور آیات قرآن کی تحقیق و تفتیش اور تلاش و تتبع میں مندرجہ ذیل امور ملحوظ رکھے۔

(۱) عہد رسالت کا کتابت شدہ قرآن، چرمی پارچوں، سنگی تختیوں، اور دوسری چیزوں میں منتشر تھا، یکجا کر کے پیش نظر رکھا۔ یہ وہ اصل تھی جسے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے املا کرایا تھا، اور حسب روایت حضرت زید، بعد املا پڑھوا کر سنا تھا۔ جہاں کہیں اصلاح کی ضرورت تھی، اصلاح بھی فرما دی تھی۔

(۲) لوگوں کے پاس، صحیفوں، تختیوں یا دوسری چیزوں میں جو مختلف نسخے اور اجزا تھے سب حتی الامکان جمع کر کے پیش نظر رکھے۔

(۳) ہر آیت کی تصدیق کم ازکم دو حافظوں سے کرتے جاتے۔ مزید براں خود بھی حافظ تھے۔

اس عظیم اہتمام اور تفتیش و تحقیق کے ذکر میں حدیث مذکور کے علاوہ، اور بھی احادیث ہیں جن سے قدرے تفصیل کے ساتھ معلوم ہوتا ہے کہ یہ تدوین ثانی کتنی مشقت اور جاں فشانی کے ساتھ انجام دی گئی ہے۔ مثلاً۔

ابن ابی داؤد مصاحف میں ہشام بن عروہ سے راوی ہیں ہیں۔

قال لما استحر القتل بالقراء فوق ابوبکر علی القرآن ان یضیع فقال لعمر بن الخطاب ولزید بن ثابت اقعدا علی باب المسجد فمن جاء کما بشاهدین علی شئ من	وہ فرماتے ہیں جب قرا کی شدید خونریزی ہوئی حضرت ابوبکر کو قرآن کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہوا حضرت عمر بن خطاب اور حضرت زید بن ثابت سے فرمایا دروازۂ مسجد پر بیٹھو تمہارے پاس جو شخص کتاب اللہ

کتاب اللہ فاکتبا ہ — کے کسی حصے پر دو گواہ لائے تو اسے لکھ لو۔
(کنز العمال ج ۱ ص ۲۸۰)

علامہ جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں۔ رجالہ ثقات مع انقطاع۔ یہ حدیث اگرچہ منقطع ہے مگر اس کے رجال ثقہ ہیں۔ (اتقان ج ۱ ص ۶۰)

ابن سعد نے بھی بروایت ہشام بن عروہ ان کے والد سے اس کے ہم معنی حدیث روایت کی ہے۔ (کنز العمال ج ۲ ص ۲۸۰)

ابن اشتہ نے مصاحف میں لیث بن سعد سے روایت کی ہے۔

اول من جمع القرآن ابو بکر وکتبہ زید، وکان الناس یاتون زید بن ثابت فکان لایکتب اٰیۃ الابشاہدی عدل۔ وان اٰخرہ سورۃ براءۃ لم توجد الامع ابی خزیمۃ بن ثابت فقال اکتبوھا فان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جعل شہادتہٗ بشہادۃ رجلین۔
(اتقان جلد ۱ ص ۶۰)

حضرت ابو بکر نے سب سے پہلے قرآن جمع کیا اور حضرت زید نے لکھا۔ لوگ حضرت زید بن ثابت کے پاس آتے تو وہ دو عادل کے بغیر کچھ نہ لکھتے، ہاں سورہ برأت کا آخری حصہ (دو آیتیں) صرف حضرت ابو خزیمہ بن ثابت کے پاس ملا۔ (تو حضرت ابو بکر نے) فرمایا اسے لکھ لو۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کی گواہی دو مردوں کی گواہی کے برابر قرار دی ہے۔ چنانچہ وہ لکھ لیا گیا۔

مغازی موسیٰ بن عقبہ میں ابن شہاب زہری سے مروی ہے۔

قال لما اصیب المسلمون بالیمامۃ نزع ابو بکر وخاف ان یذھب — جب مسلمان یمامہ میں شہید ہوئے تو حضرت ابو بکر گھبرائے۔ اور انہیں اندیشہ

من القرآن طائفة فاقبل الناس بما كان معهم وعندهم حتى جمع على عهد ابی بكر فى الورق فكان ابوبكر اول من جمع القرآن فى المصحف ۔

(اتقان ۔ ج ا ص ۶۰ نوع ۱۸)

ہوا کہ قرآن کا کوئی حصہ چلا نہ جائے تو لوگوں نے وہ سب پیش کیا جو انہیں یاد تھا یا ان کے پاس تھا۔ یہاں تک کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں قرآن اوراق میں جمع ہوگیا تو ابوبکر وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے قرآن مصحف میں جمع کیا۔

حضرت حارث محاسبی ۔کتاب فہم السنن میں فرماتے ہیں۔ اگر کوئی یہ سوال کرے کہ یہ اعتماد کیونکر پیدا ہوسکا کہ لوگ چرمی پارچوں میں جو کچھ پیش کر رہے ہیں یا زبانی جو کچھ سنا رہے ہیں یہ سب قرآن ہے ۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ ایک کلام معجز اور نظم معروف پیش کرتے جس کی تلاوت ذمہ داران تدوین نے خود نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنی تھی اس لیے غیر قرآن کو (قرآن بنا کر) غلط طور پر پیش کرنے کا خدشہ نہ تھا۔ اندیشہ بس یہ تھا کہ ان صحیفوں سے کچھ ضائع نہ ہوا ہو۔

(الاتقان ج ا ص ۶۰ نوع ۱۸)

آخر برأت کی دو آیتیں

روایات میں آیا ہے کہ آخر برأت کی دو آیتیں صرف حضرت خزیمہ کے پاس ملیں اس پر یہ اعتراض نہیں کیا جا سکتا کہ بعض قرآن آحاد سے لیا گیا ہے اور غیر متواتر ہے ۔ علامہ ابن حجر وغیرہ متعدد آئمہ فن بیان فرماتے ہیں کہ یہ آیتیں یقیناً دوسرے حضرات کو بھی یاد تھیں مگر تحریری شکل میں صرف حضرت خزیمہ کے پاس تھیں ۔

روایات سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے ۔ ملا علی قاری علیہ الرحمہ اپنے رسالہ "تفسیر لقد جاء کم" الخ میں فرماتے ہیں

واخرج ابوداؤد عن ابی الدرداؑ موقوفاً وابن السنی عنہ مرفوعا من قال حین یصبح ویمسی حسبی اللہ لا الٰہ الا ھو علیہ توکلت وھورب العرش العظیم۔ سبع مرات کفاہ اللہ ما اھمہ من امر الدنیا والآخرۃ۔

(رسالہ منقولہ در اکلیل حاشیہ مدارک التنزیل ص ۳۱۵ ج ۴)

ابوداؤد نے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے موقوفاً اور ابن السنی نے ان ہی سے مرفوعاً روایت کی (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں) جو شخص صبح وشام "حسبی اللہ لا الٰہ الا ھو علیہ توکلت وھو رب العرش العظیم" سات بار پڑھے اللہ تعالیٰ ہر مشکل دنیا وآخرت میں اس کی کارسازی فرمائے۔

حسبی اللہ لا الٰہ الا ھو۔الآیۃ۔ ان دو آیتوں میں سے ایک ہے۔ جب حضرت ابوالدرداء اس کے راوی ہیں تو ان کی یاد میں بلاشبہ یہ آیت تھی پھر جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ کو اس آیت کا وظیفہ بتایا تھا تو یہ آیت بہت سے ان لوگوں کو بھی یاد رہی ہوگی جو پورے قرآن کے حافظ نہ تھے۔ پھر یہ خیال کیونکر درست ہو سکتا ہے کہ آخر براۃ کی دونوں آیتیں حضرت خزیمہ کے علاوہ اور کسی کو یاد بھی نہ تھیں اور بعض قرآن آحاد سے لیا گیا ہے۔

مسند امام احمد کی ایک روایت میں ہے کہ حارث بن خزیمہ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس یہ دو آیتیں (لقدجاء کم الخ) پیش کیں۔ حضرت عمر نے فرمایا تمہارے ساتھ اس پر دوسرا شاہد کون ہے؟ انہوں نے کہا۔

لا ادری، و واللہ انی اشھد لسمعتھما من رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

مجھے معلوم نہیں مگر خدا کی قسم میں شہادت دیتا ہوں کہ میں نے یہ دونوں آیتیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

ووعيتهما وحفظتهما فقال	سے سنی، سمجھی اور یاد رکھی ہیں تو حضرت
عمروانا اشهد لسمعتهما من	عمر نے فرمایا میں بھی شہادت دیتا ہوں
رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم	کہ میں نے یہ آیتیں رسول اللہ صلی اللہ
(قسطلانی ج ۷ ص ۱۳۱)	علیہ وسلم سے سنی ہیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ حارث بن خزیمہ ایک دوسرے صحابی ہیں۔ انہیں بھی یہ آیتیں یاد تھیں۔ فاروق اعظم کو بھی، اس طرح حضرت خزیمہ، حارث بن خزیمہ اور فاروق اعظم کو ان آیات کا یاد ہونا صراحۃً معلوم ہوتا ہے۔
ایک روایت سے حضرت عثمان کو اور ایک روایت سے حضرت ابی ابن کعب کو بھی یاد ہونا صراحۃً ثابت ہوتا ہے۔
(ارشاد الساری شرح بخاری للقسطلانی ج ۷ ص ۱۳۱)

اگر دقت نظر سے کام لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ان روایات سے عدم تواتر کا غلط نتیجہ نکالنا صرف کوتاہ اندیشی کی پیداوار ہے۔ قابل غور امر یہ ہے کہ تدوین ثانی کی غرض و غایت کیا تھی؟ اور اس تحقیق و تفتیش، دو شاہدوں کی تلاش، مکتوبہ اجزا کی چھان بین کا مقصد کیا تھا؟۔

کیا حضرات جامعین کو قرآن یاد نہ تھا؟ ان کے پاس قرآن کی تدوین اول نہ تھی؟ یا کچھ آیات قرآنیہ کا انہیں کوئی علم نہ تھا؟ لہذا شہادتوں اور قرآن کے ذریعہ ان آیات کی قرآنیت کا اثبات انہیں مطلوب تھا؟ ہرگز نہیں! اگر اثبات قرآنیت ان کا مقصد ہوتا تو وہ کثرت حفاظ کے باوجود صرف دو شاہدوں پر اکتفا کیوں کرتے؟ ثبوت قرآنیت کے لئے تو حد تواتر شرط ہے۔ ایک مدعی، دو شاہد کل تین آدمیوں سے بھلا کس کے نزدیک عدد تواتر پورا ہوتا ہے؟ اگر ثبوت قرآنیت فراہم کرنا ہی ان کا مقصود ہوتا تو وہ ہر آیت پر ایک جماعت کثیرہ کی شہادت طلب کرتے اور کثرت حفاظ کے باعث ان کو ہر آیت پر بکثرت گواہ مل بھی جاتے۔ مگر کسی روایت میں نہیں ملتا کہ انہوں نے جماعت کثیرہ کی شہادت حاصل کرنے کی کوشش کی ہو۔

پھر کیا انہیں کسی آیت کی قرآنیت سے متعلق کوئی شبہہ تھا جس کے ازالے کے لئے انہوں نے دو تین آدمیوں کی گواہی کافی سمجھی؟ ایسا بھی نہیں۔ تدوین ثانی میں ایسا کوئی مقصد کارفرما نہ تھا۔ قرآن تو عہد رسالت ہی میں متواتر تھا۔ ہزاروں حفاظ پیدا ہو چکے تھے۔ حضرت زید، فاروق اعظم اور صدیق اکبر خود حافظ تھے۔ انہیں جو کچھ یاد تھا (یعنی پورا قرآن) اس کی تلاوت خود جناب رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے سن چکے تھے ان کی املا کرائی ہوئی یادداشتیں ان کے پیش نظر تھیں۔ ناسخ و منسوخ سے وہ اچھی طرح باخبر تھے ہر آیت کی قرآنیت کا انہیں یقینی و قطعی علم حاصل تھا۔ اس لیے اپنے کسی شک کے ازالے یا کوئی ''نیا تواتر'' فراہم کرنے کی ہرگز انہیں کوئی ضرورت ہی نہ تھی۔

تدوین ثانی کا مقصد صرف یہ تھا کہ قرآن کا ایک نسخہ مجتمع شکل میں تیار ہو جائے اور وقت ضرورت وہ مرجع و معتمد بن سکے۔ اس کے لئے منتشر اجزا کو یکجا کر کے ترتیب سے لکھ لینا کافی تھا اور دو شاہدوں کی تلاش تفتیش و تحقیق دوسرے نوشتوں کی چھان بین محض اطمینان کلی، احتیاط مزید اور تنقیح کامل کے لئے تھی۔ لہٰذا ذمہ داران جمع و تدوین اگر کسی آیت متواتر کو بغیر کسی شہادت کے لکھ لیتے تو بھی ان پر کوئی الزام عائد نہ ہوتا۔

شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔

شک نیست کہ قرآن معلوم بود بالقطع والیقین و معروف بود نزد ایشاں متمیز از ماسوائے خود و مجمع علیہ میان ہمہ۔ نہ آنکہ مشتبہ بود، و چیزے از اں نزد بعضے بود کہ مردم دیگر آنرا نمے	اس میں شک نہیں کہ قرآن قطعیت اور یقین کے ساتھ معلوم تھا اور ان کے نزدیک غیر قرآن سے ممتاز، سب کا جانا پہچانا اور سب کا اجماعی و متفق علیہ تھا۔ ایسا نہیں کہ مشتبہ رہا ہو، یا کسی

شناختند یا منکر بودند قرآنیت آنرا واثبات می کردند آنرا بحلف وشہادت حاشا وکلا، می دانستند آنرا بتالیف معجز ونظم معروف وبہ تحقیق۔ مشاہدہ کردند تلاوت آنرا از آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدت بیست و سہ سال ویاد داشتند مجموع آں را جمعے از صحابہ پس از خلط چیزے کہ نہ از قرآن است مامون بودند وایں تحقیقات وتفتیشات برائے تقریر وتاکید بود کہ اصل ومعتمد آں بود۔ (اشعۃ اللمعات ج ۲ ص ۱۶۲ طبع نہم ۱۹۶۳ء مطبع منشی تیجکمار لکھنؤ)

کے پاس قرآن کا کوئی حصہ ایسا تھا جس سے دوسرے حضرات ناآشنا یا اس کی قرآنیت کے منکر تھے اور حلف و شہادت سے اس کا ثبوت فراہم کر رہے تھے۔ حاشا وکلا، ایسا ہرگز نہیں۔ بلکہ قرآن کو تو یوں بھی اس کی معجزانہ تالیف اور معروف نظم سے جانتے تھے اور تیئس ۲۳ سال کے عرصے سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس کی تلاوت کی سماعت اور اس کا تحقیقی مشاہدہ کیا کرتے تھے مزید براں صحابہ کرام میں ایک جماعت پورے قرآن کی حافظ موجود تھی۔ اس لئے وہ اس بات سے مامون تھے کہ کوئی آدمی کسی غیر قرآن کو قرآن سے مخلوط کر سکے۔ یہ ساری تحقیقات و تفتیشات صرف اس کی تائید و تاکید کیلئے تھیں جو انکی اصل و معتمد تھی۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نقل روایات واقوال کے بعد فرماتے ہیں

والحاصل انہم ما جمعوا الا بعد ما ثبت بالدلیل القطعی لفظہ۔ وبالدلیل الظنی کتابتہ

حاصل یہ کہ انہوں نے تدوین وکتابت اسی وقت کی جب ان کے پاس دلیل قطعی سے لفظ کا اور دلیل ظنی سے کتابت

کا ثبوت ہو گیا۔ (مرقاۃ جلد ۲ صـ۶۲۸)

یعنی آیات قرآنیہ کا ثبوت تو اتر اور دلیل قطعی سے تو انہیں حاصل ہی تھا۔ مزید برآں تنقیح سے کام لیا۔ پھر کتابت شدہ اجزاء کوئی پیش کرتا تو اس کے لئے بھی دو شاہد تلاش کرتے جو اس بات کی گواہی دیں کہ یہ حصہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے لکھا گیا ہے۔ یا سرکار کی املا کردہ یادداشتوں ہی سے اسے نقل کیا گیا ہے۔ اس طرح وہ کتابت پر بھی دلیل ظنی فراہم کر لیتے۔

پھر یہ اعلان کہ "جس کے پاس جو کچھ قرآن حفظ یا تحریر کی صورت میں ہو لے آئے"۔ میری نظر میں غرض تقریر و تاکید کے علاوہ ایک اور حکمت پر مبنی ہے وہ یہ کہ آئندہ زمانوں میں کوئی شخص یہ دعویٰ نہ کر سکے کہ میرے پاس ایک یا چند آیات قرآنیہ تھیں جن کی کتابت ان صحیفوں میں نہ ہو سکی لہٰذا یہ صحائف ناقص ہیں اس اعلان اور اس پر عمل کے باعث یہ خدشہ جاتا رہا۔ جس کے پاس جو کچھ تھا پیش کر دیا اور اطمینان ہو گیا کہ اب آئندہ کوئی نیا دعویٰ نہ ہو گا۔ اگر کسی نے دعویٰ کیا تو اس پر خود ہی الزام عائد ہو جائے گا کہ تم نے عہد تدوین میں اپنا بیان کیوں نہیں پیش کیا۔ اور قرآن کریم کے معاملے میں سستی اور مساہلت کیوں اختیار کی؟

اور دو شاہدوں کی شرط اس لئے رکھی گئی کہ پیش کرنے والا بھی محتاط ہو کر پیش کرے۔ اگر صرف ایک آدمی کا بیان کافی قرار دیا جاتا تو ممکن تھا کہ کوئی شخص ایسا کوئی حصہ لے آئے جس کے متعلق اس کا گمان غالب ہو کہ یہ قرآن غیر منسوخ ہے اور درحقیقت وہ سرے سے ہی قرآن نہ ہو یا ہو تو منسوخ ہو۔ اس شرط کے پیش نظر اب اگر کوئی پیش کرتا تو قطعیت اور یقین کے ساتھ۔ اور وہ بھی جب اپنے موافق دو گواہ پا لیتا اور جو شخص اپنی یادداشت پر دو گواہ بھی

نہ پاتا اسے خود ہی اس بات کا احساس و اعتراف ہو جاتا کہ واقعۃً یہ اگر یہ آیت قرآنی ہوتی تو ہزاروں صحابہ میں سے کم از کم دو آدمی تو میرے مؤید ضرور مل جاتے جب اور کوئی، اسے آیت قرآنی نہیں کہتا تو یقیناً میرے ہی حفظ وظن کی خطا ہے۔

علاوہ ازیں دو شاہدوں کی شرط والے عام قانون کے باعث ہر بیان کی تنقید و تنقیح سہل ہو گئی، کوئی عظیم شخصیت بھی اپنے بیان پر دو شاہد نہ پیش کر سکی تو قانون عام کے تحت اسے رد کرنے میں جامعین کو کوئی تکلف نہ تھا نہ اس شخصیت کو اپنے بیان کے عدم قبول پر کسی رد و کد کی گنجائش۔

الغرض صحابہ کرام اس طرز تنقیح کے باعث آئندہ کے کسی ادعائے مبنی بر ظن و سہو سے "اصولی طور پر" مامون و مطمئن ہو گئے۔ اور مدعیان نقص کے نقصوں کی بھی اسی دور میں قانونی پیش بندی ہو گئی۔ البتہ عناد محض کا کسی دور میں کوئی علاج تجویز نہ ہو سکا۔

کیا تدوین ثانی بدعت ہے؟

علامہ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نے جمع قرآن کی جو خدمت انجام دی ہے اس پر بعض روافض کو یہ اعتراض سوجھا ہے کہ ان کے لئے وہ کام کیسے روا ہوا جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نہیں کیا؟

پھر اس کا جواب تحریر فرماتے ہیں کہ انہوں نے جو کچھ کیا اس جائز و مستحسن اجتہاد کے پیش نظر کیا جو اللہ کی کتاب، اس کے رسول، ائمہ مسلمین اور عام مومنین کے لئے بھلائی، اور خیر خواہی کے جذبے کے تحت تھا۔ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کتابت قرآن کی اجازت دی۔ اور اس کے ساتھ غیر قرآن کو لکھنے سے منع فرمایا۔ پھر حضرت ابو بکر نے کوئی نئی چیز نہ لکھوائی بلکہ اسی کو لکھنے کا حکم دیا جو عہد رسالت

میں لکھا جا چکا تھا۔ جبھی تو حضرت زید نے یہاں تک احتیاط برتی کہ آخر برائت کی آیتیں اس وقت تک نہ لکھیں جب تک انہیں تحریری شکل میں نہ ملیں۔ حالانکہ یہ آیتیں خود انہیں اور دوسرے لوگوں کو یاد تھیں۔ مزید فرماتے ہیں۔

واذ تامل المنصف ما فعله ابوبکر من ذلک جزم بانہ یعد من فضائلہ وینوہ بعظیم منقبتہ لثبوت قولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم "مَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً فَلَهُ أَجْرُهَا وَأَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا" فما جمع القرآن احد بعدہ الا وکان لہ مثل اجرہ الی یوم القیمۃ۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۱۰)

اگر صاحب انصاف حضرت ابوبکر کا عمل تدوین نگاہ غور سے دیکھے تو قطعاً یہ فیصلہ کرے گا کہ یہ تدوین قرآن ان کے فضائل میں شمار کی جائے گی۔ اور یہ تو ان کے عظیم فضل وکمال کا اعلان کر رہی ہے اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ "جس نے اسلام میں کوئی اچھا طریقہ ایجاد کیا تو اسے اس ایجاد کا ثواب اور اس پر عمل کرنے والوں کا ثواب ملے گا (مسلم شریف) لہذا صدیق اکبر کے بعد روز قیامت تک جو بھی جمع قرآن کا کام کرے حضرت صدیق کو اسکا اجر ملتا رہے گا۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مذکورۃ الصدر تفصیل سے بھی واضح ہے کہ اس اعتراض کا جواب تو اسی وقت دیدیا گیا جب فاروق اعظم نے اس کے جواز پر یوں استدلال کیا کہ "ھو واللہ خیر" صدیق اکبر نے بھی یہی فرمایا "بخدا کام تو اچھا ہی ہے" جس سے یہ معلوم ہوا کہ جو کام اچھا ہو کسی دور میں بھی کیا جا سکتا ہے۔

ابن بطال فرماتے ہیں۔

ودل ذلک علی ان فعل الرسول اذا تجرد عن القرآئن وکذا ترکہ لا یدل علی وجوب وتحریم (فتح الباری ج ۹ ص۱۰)

اس سے معلوم ہوا کہ جب کوئی دلیل قرینہ موجود نہ ہو تو فعل رسول سے وجوب، اور ترک سے حرمت ثابت نہ ہوگی۔

منکرین فضائل اعمال خیر بیں اسی طرح کے شیطانی خیالات واعتراضات پیش کیا کرتے ہیں۔ ورنہ ابھی آپ نے مسلم شریف کی حدیث ملاحظہ کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیشہ کے لئے نیک کاموں کی ایجاد اوران پر عمل کرنے کی اجازت بلکہ ترغیب دی ہے۔

بہر حال جمع قرآن صدیق اکبر کا زبردست کارنامہ اورامت مسلمہ پران کا احسان عظیم ہے جو رہتی دنیا تک ان کے فضائل ومحاسن میں شمار کیا جائے گا۔ امیرالمومنین حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے تدوین قرآن میں حضرت صدیق اکبر کی فضیلت واولیت کا برملا اعتراف کیا ہے۔

ابن سعد، ابو یعلیٰ (مسند میں) ابونعیم (معرفہ میں) خیثمہ ابن ابی داؤد۔ (فضائل الصحابہ فی المصاحف میں) اورابن مبارک حضرت علی المرتضیٰ اللہ تعالیٰ عنہ سے بسند حسن راوی ہیں۔

قال۔ اعظم الناس فی المصاحف اجرا ابوبکر رحمۃ اللہ علی ابی بکر ھو اول من جمع کتاب اللہ۔

(کنز العمال ج۱ ص۲۷۹)

(فتح الباری ج ۹ ص ۹)

مصاحف میں سب سے زیادہ عظیم اجر حضرت ابوبکر کا ہے ابوبکر پر اللہ کی رحمت ہو۔ یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے کتاب اللہ کی تدوین فرمائی۔

عہدِ عثمانی
اور
قرآن کی تدوینِ ثالث

اختلافِ لغات جیسے اردو کے بعض محاورات و الفاظ میں خود فصحاء اہل زبان کا اختلاف ہے اسی طرح مختلف قبائل عرب کا عربی زبان میں بہت کچھ اختلاف تھا۔ مثلاً جس کلمہ مضارع کا عین ماضی میں مکسور ہو اس کی علامات مضارع۔ ا۔ ت۔ ن کو غیر اہل حجاز کسرہ دیتے۔ اسی طرح علامت مضارع۔ ی۔ کو جبکہ اس کے بعد کوئی دوسری یا ہو۔ اس لئے وہ تَعْلَمُ کو تِعْلَمُ یَیْقَظُ کو یِیقَظُ بولتے۔ (شرح کافیہ للرضی ص ۱۸۷ ج ۲۔ مطبوعہ نولکشور لکھنو ۱۲۷۹ھ) بنی ہذیل حَتّٰی کو عَتّٰی کہتے۔ اہل مدینہ کے یہاں تابوت کا تلفظ تابُوہ تھا بنی قیس کاف تانیث کے بعد۔ ش۔ بولتے۔ ضربکِ کی بجائے ضربکش کہتے اس طریق تلفظ کو کشکشۂ قیس سے تعبیر کیا جاتا۔ بنی تمیم "اَنْ" ناصبہ کو "عن" کہتے۔ اسی طرح ان کے نزدیک "لیس" کے مشابہ "ما و لا" مطلقاً عامل نہیں "ما ھذا ابشرا" ان کے لغت پر "ما ھذا بشرٌ" ہوگا اس طرح کے بہت سے اختلاف تھے۔

یوں ہی طرز ادا مثلاً تفخیم و ترقیق (پُر اور باریک پڑھنا) ادغام، اظہار

امالہ تحقیق ہمزہ تخفیف ہمزہ وغیرہ میں اختلاف تھا۔

قرآن کریم پہلے ایک زبان، زبان قریش میں نازل ہوا۔ جیسا کہ حضرت عثمان کی حدیث میں آرہا ہے اور فاروق اعظم کے ارشاد سے معلوم ہوتا ہے ابن الانباری نے وقف میں ابوداؤد نے سنن میں اور خطیب نے تاریخ میں حضرت کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت عمر نے ایک شخص کو "لَيَسْجُنُنَّهٗ عَتّٰى حِيْنٍ" پڑھتے ہوئے سنا تو فرمایا تمہیں یہ کس نے پڑھایا؟ عرض کیا حضرت ابن مسعود نے۔ فاروق اعظم نے اس کی اصلاح فرمائی۔ "لَيَسْجُنُنَّهٗ حَتّٰى حِيْنٍ" پھر حضرت ابن مسعود کو خط لکھا۔

سلام علیك اما بعد - فان اللہ انزل القرآن فجعلہ قرآنا عربیا مبینا۔ وانزل بلغۃ ھذا الحی من قریش - فاذا اتاك کتابی ھذا فاقرأ الناس بلغۃ قریش ولا تقرئھم بلغۃ ھذیل۔	تمہیں بعد سلام معلوم ہو کہ اللہ نے قرآن نازل فرمایا تو اسے "قرآن عربی مبین" فرمایا۔ اور اس قبیلہ قریش کی زبان میں اتارا۔ تو میرا یہ خط پانے کے بعد تم لوگوں کو زبان قریش کے مطابق قرآن پڑھاؤ قبیلہ ہذیل کی زبان میں نہ پڑھاؤ۔

(کنز العمال ج ۱ ص ۲۸۵۔ فتح الباری ج ۹ ص ۷ حوالہ ابوداؤد)

مگر ابتداءً جبکہ مختلف قبائل عرب اسلام میں نئے نئے داخل ہو رہے تھے، اور ان میں بوڑھے، بچے، جوان، مرد، عورت، خواندہ ناخواندہ سبھی تھے، تو ایسی حالت میں سب کے لئے زبان قریش کی پابندی اپنے قبیلے کی زبان اور طریق ادا کا ترک بہت دشوار تھا۔ اگر سب کے لئے یہ پابندی لگا دی جاتی تو بہت کم لوگ قرآن سیکھ پاتے حالانکہ احکام دین کی اشاعت کے پیش نظر قرآن کی بھی تعلیم و اشاعت ضروری تھی۔

اس لئے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خداوند کریم سے دعائے تسہیل کی فرماتے ہیں۔

ارسل الیّ ان اقرأ القرآن
علی حرف فرددت الیہ
ان ھوّن علی امتی
فردّ الیّ الثانیۃ اقرءہ
علی حرفین فرددت
الیہ۔ ان ھوّن علی امتی
فردّ الیّ الثالثۃ اقرءہ علی
سبعۃ احرف ولک بکل
ردۃ رددتکھا مسئلۃ تسأ
لنیھا، فقلت اللھم اغفر
لامتی اللھم اغفر لامتی
واخّرت الثالثۃ لیوم
یرغب الیّ الخلق کلھم حتی
ابراھیم علیہ السلام
(مسلم شریف)

- - - - - - - - - -
- - - - - - - - - -
- - - - - - - - - -
- - - - - - - - - -

باری تعالیٰ کی طرف سے مجھے پیغام ملا
کہ ایک حرف (زبان) پر قرآن پڑھوں
میں نے بارگاہ ایزدی میں رجوع کیا
کہ میری امت پر آسانی فرما دوسری
بار جواب ملا - دو زبانوں پر پڑھو۔
میں نے پھر اس کی بارگاہ میں رجوع
کیا کہ میری امت پر آسانی فرما تیسری
بار جواب آیا سات زبانوں پر پڑھو
اور ہر بار کی مراجعت وجواب کے بدلے
تمہیں مجھ سے ایک دعا کرنے کا حق
دیا جاتا ہے (جو قبول ہوگی۔ تو تین بار
کے بدلے تین
دعا اور اس کی مقبولیت حضور کو دی
گئی) میں نے عرض کیا خداوندا! میری
امت کی مغفرت فرما۔ خداوندا میری
امت کی مغفرت فرما۔ اور تیسری دعا
میں نے اس دن کے لئے اٹھا رکھی جس
دن ساری مخلوق میری مشتاق (اور
میری شفاعت کی طالب ہوگی یہاں

- - - - - - - - یک کہ 'ذوالعزم پیغمبر(حضرت ابراہیم
- - - - - - - - علیہ السلام) وجہ لبعد سرور کائنات تمام
- - - - - - - - انبیاء ورسل سے افضل ہیں علیہ وعلیہم
- - - - - - - - الصلوٰۃ والسلام)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ انزل القرآن علی سبعۃ احرف (مشکوٰۃ کتاب العلم فصل ثانی)
قرآن سات حرفوں (زبانوں) پر نازل فرمایا گیا۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

قال ابن حجر۔ الجملۃ الاولی جاءت من احد وعشرین صحابیا ومن ثم نص ابو عبید علی انہا متواترۃ ای معنی واختلفوا فی معناھا علی اربعین قولا۔
(مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح ج ۱ ص ۲۴۳)

علامہ ابن حجر نے فرمایا۔ حدیث کا پہلا جملہ (عبارت مذکورہ) اکیس ۲۱ صحابہ سے مروی ہے۔ اسی وجہ سے ابو عبید نے نص فرمایا ہے کہ یہ حدیث معنیً متواتر ہے اور اس کے معنی کی تعیین میں چالیس ۴۰ مختلف اقوال ہیں۔

شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔

اکثر برانند کہ مراد بآں ہفت لغت است کہ درعرب مشہور است و مشہود بفصاحت بودند وآں لغت قریش وطے وہوازن واہل یمن وثقیف وہذیل وبنی تمیم است۔
(اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۱۶۶)

اکثر حضرات کا قول یہ ہے کہ سات حرفوں سے مراد وہ سات زبانیں ہیں جو عرب میں مشہور تھیں اور جن کے فصیح ہونے کی شہادت موجود ہے۔ وہ قریش ۱ طی ۲ ہوازن ۳ اہل یمن ۴ ثقیف ۵ ہذیل ۶ اور بنی تمیم ۷ کی

زبانیں ہیں۔

اذن باری مل جانے کے بعد لوگوں کو ان سات زبانوں پر قرآن پڑھنے کی اجازت دی گئی بلکہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان زبانوں پر لوگوں کو قرآن کی تعلیم دیا کرتے اسی لئے عہد رسالت میں متعدد واقعات اس طرح کے پیش آئے کہ ایک شخص کی قرأت کو دوسرا شخص اپنی قرأت کے مخالف پاکر اس سے بحث کر بیٹھا۔ اور معاملہ بارگاہ رسالت تک پہنچا تو سرکار نے دونوں کی تصدیق فرماکر بتایا کہ قرآن کی تلاوت میں رخصت اور آسانی دی گئی ہے۔

فاروق اعظم حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے ہشام بن حکیم کو سورہ فرقان کی قرأت کرتے ہوئے سنا۔ ان کی قرأت اس کے مخالف تھی جو میں پڑھتا تھا اور جسے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھے پڑھایا تھا۔ (اس لیے یہ مخالف قرأت سن کر مجھے غصہ آیا) اور قریب تھا کہ میں ہشام پر جلدی کروں، پھر میں نے انہیں اتنی مہلت دی کہ وہ نماز سے فارغ ہو گئے۔ پھر ان کے گلے میں ان کی چادر ڈالے ان کو پکڑ کر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس لایا۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہ میں نے اس سے سنا کہ وہ سورہ فرقان اس قرأت کے خلاف پڑھ رہا ہے جو آپ نے مجھے پڑھائی ہے۔ سرکار نے فرمایا اسے چھوڑ دو۔ ان سے فرمایا پڑھو۔ انہوں نے پھر اسی طرح پڑھا جس طرح پڑھتے ہوئے میں ابھی سن چکا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا یوں ہی نازل ہوئی ہے۔ پھر مجھ سے فرمایا تم پڑھو! میں نے بھی پڑھا تو فرمایا اسی طرح نازل ہوئی ہے۔

ان ھذا القرآن انزل علی سبعۃ — یہ قرآن سات حرفوں پر نازل ہوا

احرف فاقرأوا ماتیسر منه (بخاری ج ۲ ص ۷۴۷ مسلم بالفاظہ ج ۱ ص ۲۷۲، مسند امام احمد ص ۲۶۶ ج ۱ تفسیر ابن جریر ج ۱ مقدمہ) — ہے تو جو آسان ہو پڑھو۔

ارشاد الساری میں علامہ قسطلانی لکھتے ہیں۔

اس طرح کا واقعہ متعدد صحابہ کے درمیان پیش آیا۔ حضرت عمر و ہشام ہی کی طرح ابی بن کعب کا عبداللہ بن مسعود کے ساتھ سورہ نحل میں حضرت عمرو ابن العاص کا ایک آیت قرآنی میں ایک اور شخص کے ساتھ اور حضرت ابن مسعود کا آل حم کی ایک سورہ میں ایک شخص کے ساتھ اختلاف ہوا۔ (بحوالہ مسند احمد و ابن حبان و حاکم قسطلانی ج ۷ ص ۳۶۱)

واضح رہے کہ زبانوں کے اختلاف سے اصل معانی میں کوئی تبدیلی نہ ہوتی۔ سب کا معنیٰ ایک تھا۔ جلیل القدر تابعی حضرت ابن شہاب زہری سے مروی ہے۔

بلغنی ان تلك السبعة الاحرف انما هی فی الامر تکون واحدا لاتختلف فی حلال وحرام۔ (بخاری و مسلم مشکوٰۃ شریف ج ۱ ص ۱۹۲) — مجھے خبر ملی ہے کہ یہ ساتوں زبانیں دین کے معاملہ اور حکم میں ایک ہوتیں ان میں کسی حلال وحرام کا اختلاف نہ تھا۔

مرقات میں ہے۔

قال کثیرون من الائمة انما کان ذلك ای جواز تغییر اللفظ بمرادفه رخصة۔ لماکان تیسر علی کثیر منهم التلاوة بلفظ واحد لعدم علمهم بالکتابة — بہت سے آئمہ نے فرمایا ہے کہ لفظ کو اس کے ہم معنی لفظ سے تبدیل کرنے کا جواز صرف ایک رخصت تھی اس بنا پر کہ بہت سے لوگوں کے لئے ایک ہی لفظ کی تلاوت مشکل تھی۔ کیونکہ کتابت

والضبط واتقان الحفظ فالقرشي يشق عليه تخفيف الهمزة واليمني تركه فلذلك سهل على قبيلة ان تقراء بلغتها ـ ثم نسخ بزوال العذر وتيسير الكتابة والحفظ قلت وفيه ايماء إلى المعتمد من مذهبنا ان المصلي اذا قرأ مالم يغير المعنى لم تفسد صلاته ـ

(ج ۱ - ص ۲۴۴)

ضبط، اور پختگی حفظ کا طریقہ وہ نہیں جانتے تھے. قرشی پر تخفیف ہمزہ اور یمنی پر ترک تخفیف شاق تھا، اسی لئے اپنی زبان ولغت میں قرأت کی آسانی بخشی گئی پھر جب کتابت وحفظ کی سہولت ہوگئی اور عذر جاتا رہا تو یہ رخصت نہ رہی میں کہتا ہوں اس میں ہمارے مذہب کے اس قول معتمد کا اشارہ ملتا ہے کہ اگر مصلی سے ایسی قرأت ہوگئی جس سے معنی نہ بدلا تو نماز فاسد نہ ہوگی۔

علامہ قسطلانی فرماتے ہیں۔

اباحت مذکورہ کی نوعیت یہ نہ تھی کہ آدمی اپنی خواہش کے مطابق "کلمہ کو اس کے مرادف سے بدل لے بلکہ معاملہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سماع پر موقوف تھا. جیسا کہ حضرت عمر اور حضرت ہشام رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے الفاظ سے اشارہ ملتا ہے۔ انہوں نے فرمایا۔ "اقرأني النبي صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مجھے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے (ایسا) پڑھایا" اور اگر ہم یہ مان لیں کہ ہم معنی لفظ سے تبدیلی کی عام اجازت تھی اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سماع حاصل نہ ہو تو بھی حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں جب صحابہ کرام کا اس قرأت پر اجماع ہوگیا جو قرآن کے آخری دور تا رمضان میں ثابت رہی تو اب وہ اباحتِ تبدیل ختم ہوگئی (ارشاد الساری، ج ۱، ص ۳۶ مطبوعہ نولکشور لکھنو)

البتہ یہ بات تنقیح طلب ہے کہ عہد رسالت ہی میں اباحت تبدیل ختم ہوئے اور ایک لغت پر قرأت قرآن کی پابندی ہوگئی یا بعد میں ہوئی۔ بعض علما راس کے قائل ہیں کہ عہد عثمانی میں پابندی ہوئی اور اکثر علمار کا قول یہ ہے کہ عہد رسالت ہی میں پابندی ہوگئی تھی۔ اسی کو قاضی ابوبکر بن الطیب، علامہ ابن عبدالبر، علامہ ابن العربی وغیرہم نے اختیار کیا ہے۔ کیونکہ ابتدائے امر میں جب اختلاف لغات کے باعث لوگوں کے لئے ایک طریقہ اور ایک لغت کی پابندی دشوار تھی تو ہر ایک کو اپنے طریقہ ر لغت پر تلاوت کی رخصت دی گئی۔ پھر جب معاملہ ضبط کے تحت آگیا ، زبانوں کی مشق ہوگئی۔ اور ایک طرز لغت کی پابندی پر لوگ قابو پا گئے تو عہد رسالت کے آخری رمضان میں حضرت جبریل علیہ السلام نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ "دوبار" دورۂ قرآن کیا، اور دورۂ آخر کی قرأت پر معاملہ ثابت و مستقر ہوگیا تو خدا ہی کی طرف سے اسی طرز مکرر کی پابندی واجب اور گذشتہ رخصت ختم کر دی گئی۔ (ارشاد لساری ج ۷ ص ۳۶۱)

فاروق اعظم کا حضرت ابن مسعود کو قرأت ہذیل سے باز رکھنا بھی اس بات کی دلیل ہے کہ سابقہ رخصت ختم اور زبان قریش کی پابندی لازم ہو چکی تھی مگر حضرت ابن مسعود کو خبر نہ تھی۔ اس لئے فاروق اعظم نے ان کو متنبہ فرمایا۔

بہر حال اگر یہی مان لیا جائے کہ ایک لغت کی پابندی، عہد عثمانی میں ہوئی تو بھی یہ اعتراض بالکل بے جا اور معاندانہ ہے کہ قرآن سات لغات میں تھا اب ایک ہی لغت میں ہے تو اکثر قرآن ضائع ہوگیا (والعیاذ باللہ)

بہت سی احادیث اور کثیر اقوال محققین سے یہی ثابت ہے کہ زبان قریش کے علاوہ دیگر لغات پر قرأت محض ایک رخصت تھی جس کی بنیاد مخصوص حالات و اسباب پر تھی۔ لہٰذا ان حالات و اسباب اور مصلحتوں کے ختم ہوجانے کے باعث

اگر وہ مخصوص رخصت بھی ختم کر دی گئی تو اس سے قرآن کے کسی حصے کا ضیاع کیسے لازم آیا؟ — میں کہتا ہوں بطور تنزّل اگر یہی مان لیا جائے کہ قرآن پہلے زبان قریش میں نازل ہوا۔ پھر تیسیراً سات لغات پر اترا۔ مگر جب سرکار کے آخری رمضان میں حضرت جبریل نے قرآن کا دوبار دَور کیا اور دَورۂ اخیرہ کی قرأت ثابت و مستقر ہوگئی۔ اور باقی زبانیں اس دَورہ میں نہ رہیں تو یہ خود اس بات کی دلیل ہے کہ قرآن کامل اور سب کا مرجع و معتمد یہی ہے جو اس دَورہ میں ثابت رہا۔ اور پہلے جو کچھ تھا وہ انقضاءِ ضرورت یا کسی بھی مصلحت کے سبب منسوخ ہوگیا چاہے بالعموم لوگوں کو اس کی خبر ہو یا نہ ہو۔ اس سابقہ رخصت پر عمل سے اسی وقت رد کا جائے یا بعد میں اس کی ضرورت سمجھی جائے۔ بہرحال اصل قرآن تو دَورۂ اخیرہ کا ثابت شدہ قرار پایا۔ اگر معاذ اللہ اس کا کوئی حصہ آج نہ ہوتا تو کوئی ضیاع قرآن کہنے کی جسارت کرتا مگر قرآن منسوخ کے باقی نہ رہنے کو اکثر قرآن کا ضیاع وہی کہہ سکتا ہے جس کی عقل میں فتور ہوا در جسے نسخ و ضیاع کے معنی میں بھی کوئی تمیز نہ ہو۔

یہ بھی ذہن نشین رہے کہ نسخ کوئی عیب نہیں بلکہ اس کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ کوئی حکم یا تلاوت یا دونوں ایک مخصوص مدت کے لئے ہوں خواہ پہلے اس مدت کا اعلان نہ ہوا اور جب وہ مدت پوری ہو جائے تو وہ حکم یا تلاوت یا دونوں اٹھا لئے جائیں۔ لوگ اس معاملہ کی تعبیر جس لفظ سے بھی کریں۔ مگر ظاہر ہے کہ مذکورہ حقیقت میں ہرگز کوئی عیب نہیں۔ وتعالی اللہ عن ذلک علوا کبیرا۔

تدوینِ ثالث کے اسباب و محرکات

اس تفصیلی اور ضروری تمہید کے بعد "تدوینِ ثالث" کے اسباب و محرکات کا سمجھنا آسان ہوگیا مذکورہ رخصت خواہ زمانہ ذوالنورین تک باقی رہی ہو یا عہدِ رسالت ہی میں ختم ہوگئی ہو اور بلاد و امصار میں پھیلے ہوئے تمام

مسلمانوں کو اس کی اطلاع نہ ملی ہو۔ بہر تقدیر عہد عثمانی میں ایک سنگین صورت حال پیش آئی ایک طرز ادا والا اپنی ہی قرأت کو صحیح اور دوسرے کی قرأت کو غلط سمجھنے لگا اس پر آپس میں جنگ و جدال اور زد و کوب تک کی نوبت پہنچی۔

عمارہ بن غزیہ کی روایت میں ہے۔

ان حذیفۃ قدم من غزوۃ فلم ید خل بیتہ حتی اتی عثمان فقال یا امیرالمومنین ادرک الناس قال وما ذلک؟ قال غزوت فرج ارمینیۃ فاذا اھل الشام یقرأون بقرأۃ ابی بن کعب ویاتون بما لم یسمع اھل العراق، واذا اھل العراق یقرؤن بقرأۃ ابن مسعود فیاتون بما لم یسمع اھل الشام فیکفر بعضھم بعضا۔	حضرت حذیفہ ایک جنگ سے واپس آئے تو گھر جانے سے پہلے حضرت عثمان کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا اے امیرالمومنین لوگوں کو تھامیے فرمایا۔ کیا بات ہے؟ کہا میں سرحد ارمینیہ کی لڑائی میں شریک ہوا تو دیکھا کہ شام والے ابی بن کعب کی قرأت پر قرآن پڑھتے ہیں جسے اہل عراق نے نہیں سنا۔ اور عراق والے ابن مسعود کی قرأت پر پڑھتے ہیں جسے اہل شام نے نہیں سنا۔ تو ایک دوسرے کی تکذیب کرتا ہے۔
(عمدۃ القاری للعینی ج ۲۰ ص ۱۸ ارشاد الساری ج ۷ ص ۳۵۸)	

خود حضرت عثمان کے یہاں بھی اس طرح کا اختلافی مقدمہ پہنچا ابن اشتہ نے ابو قلابہ سے بطریق روایت کی ہے انہوں نے فرمایا۔ بنی عامر کے انس بن مالک نامی شخص نے مجھ سے بیان کیا کہ حضرت عثمان کے زمانے میں لوگوں نے قرآن کے بارے میں اختلاف کیا یہاں تک کہ لڑکے اور معلمین ایک دوسرے

سے جنگ کر بیٹھے معاملہ حضرت عثمان تک پہنچا تو انہوں نے فرمایا۔

عندی تکذبون به وتلحنون	میرے یہاں تم اس میں جھٹلاتے
فیہ فمن نأی عنی	اور اس میں غلطی کرتے ہو تو جو
کان اشد تکذیبا واکثر	مجھ سے دور ہیں وہ تو تم سے بھی
لحنًا۔	زیادہ تکذیب اور غلطی میں مبتلا
(اتقان ج ۱ ص ۶۱)	ہوں گے۔

یہ ایک فتنے کی ابتداء تھی جس کا انجام بڑا ہی خطرناک اور اندوہناک ہو سکتا تھا اس لئے حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے دفاع کے لئے ممتاز صحابہ کرام کو جمع کر کے مشورہ کیا۔ اور اپنی رائے پیش کی۔ جس پر تمام حضرات نے فیصلہ کر دیا کہ اب ضروری ہو گیا ہے کہ تمام قبائل عرب بلکہ ساری دنیا کو ایک لغت پر جمع کر دیا جائے اور زبان نزول کے مطابق قرآن کے متعدد نسخے تیار کرا کے دیار و امصار میں بھیج دیئے جائیں اور سب کے لئے اس کی پابندی ضروری قرار دی جائے۔

تدوین ثالث کی کیفیت

تدوین اول کی کیفیت بس یہ تھی کہ پورا قرآن لکھ لیا گیا تھا۔ تمام سورتوں اور تمام سورتوں کی جملہ آیات کے درمیان ترتیب نہ تھی۔ تدوین ثانی میں ہر سورہ کی تمام آیات ترتیب سے لکھی گئیں اور الگ الگ سورتوں پر مشتمل صحیفے تیار ہو گئے مگر خود سورتوں کے درمیان باہمی ترتیب قید تحریر میں نہ آسکی اس لئے عہد عثمانی میں قرآن کے متعدد نسخے تیار کرانے کے ساتھ یہ بھی ملحوظ رکھا گیا۔ کہ قرآن کی ایک "تیسری تدوین" ہو جائے جس میں سورتوں کی باہمی ترتیب بھی ہو۔

اور جو قرآن الگ الگ سورتوں پر مشتمل "صحیفوں" کی شکل میں ہے اسے ایک "مصحف" کی شکل دے کر پورے قرآن کی یکجا شیرازہ بندی کر دی جائے۔

ابن سعد، بخاری، ترمذی، نسائی، ابن ابی داؤد، ابن الانباری، ابن حبان اور بیہقی نے حضرت انس بن مالک سے تدوین ثالث کی تفصیل یوں روایت کی ہے۔

حضرت حذیفہ بن الیمان شام و عراق والوں کے ساتھ مل کر ارمینیہ و آذربیجان کی فتح میں جنگ کر رہے تھے جب انہوں نے قرأت قرآن میں لوگوں کا اختلاف دیکھا تو گھبرا اٹھے۔ معرکہ کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ امیرالمومنین! اس امت کو وہ وقت آنے سے پہلے تھامیے جبکہ یہ امت بھی یہود و نصاریٰ کی طرح کتاب اللہ میں اختلاف کرنے لگے۔ حضرت عثمان نے ام المومنین حضرت حفصہ بنت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے پاس کہلا بھیجا کہ صدیقی صحیفے بھیجیے۔ ہم وہ صحیفے مصاحف میں نقل کرا کے اصل آپ کو واپس کر دیں گے۔ ام المومنین حضرت حفصہ نے بھجد یئے۔ امیرالمومنین حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زید بن ثابت عبداللہ بن زبیر، سعید بن العاص اور عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو نقل قرآن کی خدمت سپرد کی جسے ان حضرات نے پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تینوں قرشی حضرات سے فرمایا جب تمہارا اور زید بن ثابت کا قرآن کی کسی آیت میں اختلاف ہو تو اُسے زبان قریش کے مطابق قلمبند کرو۔ اس لئے کہ قرآن ان ہی کی زبان میں اترا ہے ان حضرات نے ایسا ہی کیا۔

جب مصاحف میں صحیفوں کی نقل ہو گئی۔ تو حضرت عثمان نے ام المومنین حضرت حفصہ کو وہ صحیفے واپس کر دیئے اور تدوین شدہ مصاحف میں سے ایک ایک

---

[۱] ابن ابی داؤد نے زہری سے روایت کی ہے۔ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

مصحف ہر اہم اسلامی شہر میں بھیجدیا۔

فتح الباری میں ہے۔ یہ تدوین ۲۵ھ میں حضرت عثمان کی خلافت کے دوسرے یا تیسرے سال ہوئی۔ (ج ۹ ص ۱۴)

ترمذی کی روایت میں یہ واقعہ مزید ہے کہ حضرت ابن شہاب زہری نے فرمایا "تابوت" اور "تابُوہ" میں کاتبین کا اختلاف ہوا۔ قرشیوں نے تابوت کہا اور زید بن ثابت نے تابوہ۔ معاملہ حضرت عثمان کے پاس پہنچا تو انہوں نے فرمایا تابوت۔ لکھو کیونکہ قرآن زبان قریش میں نازل ہوا۔ (کنزالعمال جلد اص ۲۸۲)

کتاب المصاحف ابن ابی داؤد میں بطریق محمد بن سیرین روایت ہے کہ تدوین

بقیہ پچھلے صفحہ پر

اخبرنی سالم بن عبد الله ان مروان کان یرسل الی حفصة یسألها الصحف التی کتب فیها القرآن فتابی حفصة ان تعطیه ایاها۔ فلما توفیت حفصة ورجعنا من دفنها ارسل مروان بالعزیمة الی عبد الله بن عمر لیرسل الیه بتلك الصحف فارسل بها الیه عبد الله بن عمر فامر بها مروان فشققت وقال مروان انما فعلت هذا لان ما فیها قد کتب وحفظ بالصحف

مجھے سالم بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے خبر دی کہ مروان آدمی بھیج کر حضرت حفصہ سے ان صحیفوں کو مانگا کرتا تھا وہ دینے سے انکار فرماتی رہیں جب ان کی وفات ہوگئی اور ہم ان کے دفن سے فارغ ہوکر لوٹے تو مروان نے حضرت عبداللہ بن عمر کے پاس قسم کے ساتھ یہ پیغام بھیجا کہ ان صحیفوں کو بھیجدیں عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اس کے پاس بھیجدیئے۔ مروان نے ان صحیفوں کو چاک کرادیا۔ اور کہا یہ میں نے اس لئے کیا کہ ان میں

ثالث میں بارہ آدمیوں نے نقل واملا کی خدمت انجام دی، مذکورہ چار حضرات کے علاوہ مزید پانچ حضرات کے نام متفرق طور پر کتاب ابن ابی داؤد میں ملتے ہیں، حضرت مالک بن انس کے دادا مالک ابن ابی عامر[۱] کثیر بن افلح[۲]، ابی بن کعب[۳] انس بن مالک[۴]، عبداللہ بن عباس[۵] رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

ایک روایت میں اس طرح ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا من اکتب الناس؟ سب سے زیادہ لکھنے والا کون ہے؟ لوگوں نے عرض کیا۔ کاتب رسول، زید بن ثابت۔ فرمایا۔ فای الناس اعرب (او) افصح؟ عربیت اور فصاحت میں سب سے بڑھ کون ہے؟ لوگوں نے کہا سعید بن العاص امیر المومنین نے فرمایا سعید املا کرائیں اور زید لکھیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ اوّلاً نقل کی خدمت ان ہی دو حضرات کے سپرد تھی۔ پھر آفاق عالم اسلامی میں بھیجے جانے والے مصاحف کی تعداد کا لحاظ کرتے ہوئے مزید دس آدمیوں کا اضافہ کیا گیا۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۱۵ قسطلانی ج ۷ ص ۳۵۸)

(بقیہ ص ۹۴)

فخشیت ان طال بالناس زمان ان یرتاب فی شان ھذا المصحف مرتاب او یقول انہ قد کان فیہا شئ لم یکتب	جو کچھ ہے اس کی کتابت ہو چکی صحیفے یاد کر لئے گئے اب مجھے یہ اندیشہ ہوا کہ عرصہ دراز گزر جانے کے بعد کوئی "مصحف" کے بارے میں شک کرے۔ یا کوئی کہے کہ صحیفوں میں کچھ ایسا حصہ تھا جس کی کتابت نہ ہوئی۔

(کنز العمال ج ۱ ص ۲۸۰)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کا بڑا شکوہ تھا کہ انہیں کتابت مصاحف میں کیوں شامل نہیں کیا گیا۔ حالانکہ وہ زید سے زیادہ قدیم الاسلام، سن رسیدہ ذی علم ہیں۔ مگر معاملہ یہ تھا کہ حضرت ابن مسعود کوفہ میں تھے اور کار تدوین مدینہ میں ہو رہا تھا حضرت عثمان نے کتابت مصاحف کا فیصلہ ہو جانے کے بعد بلا تاخیر اس کی تکمیل کا عزم کر لیا اور حضرت ابن مسعود کے پاس کوفہ یا کسی بھی دور جگہ کے مقیم معزز صحابی کے پاس اطلاع بھیجنے اور وہاں سے ان کی آمد کا انتظار کرنے میں حرج و تاخیر محسوس کی اس لئے انہیں اس خدمت میں شامل نہ کر سکے۔ پھر انہیں یہی عہد صدیقی کے صحیفوں کی نقل کرانی اور انہیں مصحف کی شکل دینی تھی اس کیلئے مدینہ کے رہنے والے لوگ کافی تھے اور ان میں حضرت زید یقیناً زیادہ موزوں تھے۔ کیونکہ صدیقی صحیفے ان ہی کے لکھے ہوئے تھے اور اس وقت سب کی موجودگی میں حضرات شیخین نے زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ خدمت سپرد کی اس بنیاد پر کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کاتب وحی تھے یعنی عہد رسالت ہی سے اس معاملہ میں ان کو ترجیح اور اولیت حاصل تھی۔ پھر اگر عہد عثمانی میں بھی انہیں اس خدمت کی سربراہی دیدی گئی تو کسی کو اعتراض کا کیا موقع؟ اس وقت اکابر صحابہ نے حضرت ابن مسعود کے پر زور شکوے کو ناپسند کیا۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۱۶)

تعداد مصاحف

مشہور ہے کہ آفاق عالم اسلامی میں بھیجے جانیوالے مصاحف کی تعداد پانچ تھی۔ ابن ابی داؤد نے بیان کیا ہے کہ میں نے حاتم سجستانی سے سنا کہ سات مصاحف لکھے گئے جن میں سے مکہ۔ شام۔ بحرین، بصرہ، کوفہ ایک ایک مصحف بھیج دیا گیا اور ایک مدینے میں رہا۔ (اتقان ج ا ص ۶۱)

آیت احزاب

حضرت انس بن مالک سے تدوین ثالث کی مذکورہ تفصیلی حدیث کے بعد امام بخاری وغیرہ محدثین نے حضرت ابن شہاب زہری سے مزید یہ روایت کی ہے۔

اخبرنی خارجۃ بن زید بن ثابت سمع زید بن ثابت قال فقدت آیۃ من الاحزاب حین نسخنا المصحف قد کنت اسمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقراء بہا فالتمسناھا فوجدناھا مع خزیمۃ بن ثابت الانصاری "من المومنین رجال صدقوا ما عاھدوا اللہ علیہ" فالحقناھا فی سورتھا فی المصحف۔	مجھے خارجہ بن زید بن ثابت نے خبر دی، انہوں نے اپنے والد زید بن ثابت سے سنا، انہوں نے فرمایا مصاحف نقل کرتے وقت میں نے سورہ احزاب کی ایک آیت نہ پائی جسے میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا کرتا تھا اسے ہم نے تلاش کیا تو خزیمہ بن ثابت انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس پایا۔ تو اسے مصحف کے اندر سورہ احزاب میں اس کی جگہ پر شامل کر دیا وہ آیت یہ تھی۔ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ۔

اس حدیث سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ عہد صدیقی کی تدوین میں مذکورہ آیت احزاب چھوٹ گئی تھی۔ تیسری تدوین میں جب صحف صدیقی دوبارہ سامنے آئے تو حضرت زید نے ان صحیفوں میں آیت نہ پاکر اس کی تلاش شروع کی اور اس بات کی جستجو ہوئی کہ عہد رسالت کی لکھی ہوئی مل جائے۔ چنانچہ حضرت

خزیمہ بن ثابت کے پاس ملی۔ پھر مصحف عثمانی میں اپنے مقام پر ثبت کی گئی۔

اس حدیث کے پیش نظر یہ معلوم ہوتا ہے کہ صحف صدیقی میں ایک آیت کی کمی رہ گئی تھی۔ پھر مخالفین اسلام نے دوسرا شبہہ یہ پیش کیا کہ ہوسکتا ہے مصحف عثمانی میں بھی کچھ چھوٹ گیا ہو۔ اس اعتراض کے کئی جواب دیئے گئے ہیں۔

(۱) سہو ونسیان، خاصۂ انسان ہے۔ اس لئے ممکن ہے صحف صدیقی کی تدوین میں یہ آیت چھوٹ گئی ہو۔ مگر ان صحیفوں کو مرجعیت حاصل نہ تھی لوگ زبانی طور پر حفاظ وقرا سے قرآن سیکھتے ان صحیفوں سے نہیں۔ اس لئے قرآن کی قرأت وتلاوت میں کوئی کمی نہ تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ وحفاظ کو پوری سورۂ احزاب سکھائی تھی۔ وہ صحابہ وحفاظ دوسرے لوگوں کو پوری سورۂ پڑھاتے اور سکھاتے تھے اس اس وقت ان صحیفوں میں ایک آیت کی کمی سے انسان کی خصوصیت نسیان کا ظہور تو ہوا مگر چونکہ قرآن کریم کا نگہبان رب العٰلمین ہے اس لئے اصل قرآن قرأت صحابہ وحفاظ میں کوئی کمی نہ آنے دی۔ البتہ جب کتابت اور مصحف کو مرجعیت حاصل ہونے والی تھی اور مصاحف اسی غرض سے تیار ہو رہے تھے کہ لوگ انہیں پڑھیں گے ان سے قرآن سیکھیں گے اور یاد کریں گے۔ تو حافظ حقیقی نے کاتب وحی حضرت زید کو یاد دلا کر کتابت کی بھی یہ کمی پوری کردی اور قرآن کی ایک آیت بھی نہ چھوٹی۔

مصحف عثمانی میں کسی آیت کے چھوٹنے کا احتمال ناقابل التفات ہے کیونکہ اس کی تدوین وکتابت صرف حضرت زید تک محدود نہ تھی بلکہ اس میں بارہ صحابہ کرام کی شمولیت تھی۔ پھر اس پر صحابہ کرام کا اجماع ہوا جب کہیں اس کی اشاعت ہوئی۔ کیا یہ کسی عقل میں آنے والی بات ہے کہ قرآن کریم کی کوئی آیت چھوٹ جائے اور عظیم جماعت صحابہ وحفاظ میں کسی کو یاد نہ آئے؟ یا یاد تو آئے۔ مگر سب خاموش رہ جائیں

اور قرآن ناقص پہ اجماع کرلیں ؟ کیا صحابہ کی حرارت ایمانی دینی معاملات میں انکی جرأت بے باک اور ان کے جذبۂ حق گوئی سے آشنا کوئی بھی شخص ایسے اوہام و خیالات کو ذرا دیر کے لئے بھی اپنے ذہن میں جگہ دے سکتا ہے؟ ۔ ہرگز نہیں ۔

(۲) ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ رقم طراز ہیں کہ یہ بہت بعید ہے کہ عہد صدیقی کی تدوین میں کسی آیت کی کتابت چھوٹ گئی ہو اس لئے صحیح یہ ہے کہ یہ واقعہ تدوین ثالث کا نہیں بلکہ تدوین ثانی کا ہے تدوین ثانی کے وقت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی لکھائی ہوئی یادداشتوں میں آیت احزاب نہ ملی تلاش وجستجو کے بعد صاحب شہادتین حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس پائی گئی اور "مصحف" یعنی "صحیفوں" میں لکھی گئی ۔ (مرقات ج ۲ ص ۶۳۱)

شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ نے بھی اس کی تائید کی ہے بلکہ اس کو حدیث کا ظاہر معنی قرار دیا ہے (اشعۃ اللمعات ج۲ ص۱۶۵)

اب رہا یہ کہ اس میں "نسخنا المصحف" ہے (ہم نے مصحف اصل یادداشتوں سے نقل کیا) حالانکہ تدوین ثانی میں تنہا حضرت زید نے کتابت کی ۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں لفظ جمع تعظیماً ہے ۔

مگر مصاحف کا معنی صحیفے لینا محل نظر ہے ۔ کیونکہ یہی حدیث بخاری شریف میں اور دو مقامات پر آئی ہے ایک جگہ یہ الفاظ ہیں ۔ نسخت الصحف فی المصاحف ۔

(ج ۱ ص ۳۹۴ ، کتاب الجہاد)

دوسری جگہ ہے ۔

لما نسخنا الصحف فی المصاحف	جب ہم نے "صحیفے" ، مصاحف میں نقل
فقدت اٰیۃ من سورۃ	کیے تو سورۂ احزاب کی ایک آیت کھوگئی

الاحزاب كنت اسمع	ہیں اسے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ
رسول الله صلى الله عليه	علیہ وسلم کو پڑھتے سنا کرتا تھا۔ وہ میں
وسلم يقرأها لم اجدها	نے کسی کے پاس نہ پائی سوائے حضرت
مع احد الامع خزيمة الانصاري الذى	خزیمہ انصاری کے جن کی شہادت کو
جعل رسول الله صلى الله تعالىٰ	رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے
عليه وسلم شهادته شهادة رجلين	دو مردوں کی گواہی کے برابر قرار
(ج ۲ ص ۷۵۵ کتاب التفسیر)	دیا۔

کسی حدیث کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ اس کے تمام طرق و روایات پر نظر رکھتے ہوئے اس کا صحیح مفہوم متعین کیا جائے۔ ان روایات کے الفاظ سے واضح ہے کہ آیت احزاب نہ ملنے کا واقعہ اس وقت کا ہے جب صحیفے مصاحف میں نقل کئے گئے اور ظاہر ہے کہ یہ کام عہد عثمانی اور تدوین ثالث میں ہوا عہد صدیقی میں نہیں اس تدوین میں تو صرف صحیفے تیار ہوئے۔ مصاحف نہیں۔

لہٰذا حدیث خارجہ بن زید میں مصاحف کا معنیٰ "صحیفے" لینا۔ اور آیت احزاب کی گمشدگی کا واقعہ تدوین ثالث نہیں بلکہ تدوین ثانی کا بتانا صحیح و صریح روایات سے اس کی تائید نہیں ہوتی۔

(۳) راقم کے نزدیک حضرت خارجہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث کا جواب ایک اور ہے۔ امید کرتا ہوں کہ معزز ناقدین کی نظر میں قرین تحقیق ثابت ہوگا۔

(الف) سب سے پہلے خود زیر بحث حدیث پر غور کرنا چاہیئے۔ اس میں ہرگز کوئی ایسا لفظ نہیں جو اس امر کی واضح نشان دہی کرتا ہو کہ تدوین ثالث کے وقت جب صحف صدیقی دیکھے گئے تو ان میں "سورۂ احزاب کی وہ آیت نہ ملی اور یہ احساس ہوا کہ ان صحیفوں سے ایک آیت چھوٹ گئی اور لکھی نہ جا سکی۔ جب روایات واحادیث

میں کوئی ایسا لفظ نہیں تو قطعیت اور جزم و یقین کے ساتھ یہ معنی متعین کرنے کی گنجائش بھی نہیں کہ صحف صدیقی میں ایک آیت درج نہ ہو سکی۔

(ب) اس حدیث میں "فقدت اٰیۃ من الاحزاب" خاص طور سے قابل توجہ ہے فَقَدَ کا اصل معنی ہے گم کر دیا" کھو دیا[1] "ظاہر ہے کہ" میں نے فلاں شیٔ گم کر دی اور فلاں چیز کھو گئی" اسی وقت بولیں گے جب اپنے پاس موجود رہی ہو پھر غائب ہوئی ہو۔ اب اگر فقدت اٰیۃ من الاحزاب کا معنی یہ لیں کہ صحیفہ صدیقی میں سے سورۃ احزاب کی آیت میں نے کھو دی تو معنی کسی طرح بن نہیں سکتا۔ صحیفے میں پوری سورہ موجود تھی پھر اس میں ایک آیت نکل کر کھو گئی، باقی سورہ مع کاغذ موجود رہی یہ بھلا کون کہہ سکتا ہے۔ اس کی نوعیت یہ ہو سکتی ہے کہ آیت کسی طرح مٹ جائے اور اس کی جگہ باقی ہو، مگر اس کی تعبیر "کھو دینے" اور "گم کر دینے" سے ہرگز نہ ہوگی۔ اس کے لئے صاف طور پر کہا جائے گا "ایک آیت مٹ گئی" یا "فلاں آیت کی جگہ سے حروف اڑ گئے اور بیاض ہو گیا"

اب آپ غور کریں کہ "میں نے ایک آیت کھو دی" یہ تعبیر کس حقیقت پر دال ہے۔ اور یہ عبارت واقعہ کی کس نوعیت کا پتہ دے رہی ہے؟

آپ کو معلوم ہے کہ عہد رسالت میں بعض چھوٹی سورتوں کی طرح بہت سی آیات بھی مختلف ٹکڑوں اور اجزاء میں منتشر و غیر مرتب تھیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یادداشتوں میں بلاشبہ ایسا بھی تھا کہ ایک آیت ایک چرمی پارچے پر اور کسی چیز پر علیحدہ تھی وہ ساری یادداشتیں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عہد صدیقی کی تدوین میں پیش نظر رکھیں۔ ان یادداشتوں میں سے اگر کوئی آیت بعد میں گم ہو گئی ہو تو یقیناً یہ تعبیر بر محل ہو گی کہ "فلاں آیت کھو گئی" یعنی تدوین ثانی کے وقت تو موجود تھی مگر تدوین ثالث کے وقت گم ہو گئی۔

---

[1] اس معنی کی تعیین "فالتمسنا" (تو ہم نے اسے تلاش کیا) سے بھی ہوتی ہے۔

اب آپ پر میرا مدعا واضح ہے کہ فقدت آیتہ من الاحزاب کا جملہ پتہ دے رہا ہے کہ تدوین ثالث کے وقت صرف صحف صدیقی سے نقل پر قناعت نہیں کی گئی بلکہ اولین ماخذ، اور بعد کی جملہ تدوینات کا سنگ بنیاد اور سب کا مرجع رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی املا کرائی ہوئی یادداشتیں بھی پیش نظر رکھی گئیں۔ ان ہی یادداشتوں میں سورۂ احزاب کی ایک آیت رجال صدقوا ما عاهدوا الله علیہ جو تدوین ثانی کے وقت موجود تھی، تدوین ثالث کے وقت کھو گئی جب تلاش کی گئی تو صاحب شہادتین حضرت خزیمہ بن ثابت انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس مکتوبہ شکل میں ملی پھر مصحف کے اندر سورہ احزاب میں اپنے مقام پر ثبت کر دی گئی۔

اس بحث سے معلوم ہوا کہ جس طرح آج کوئی محقق جب کسی کتاب کو ایڈٹ کر کے منظر عام پر لانا چاہتا ہے تو اپنے معتمد نسخے کے علاوہ متعدد دوسرے نسخے، مختلف ماخذ اور بہت سی تائیدات تحقیق مزید اور اطمینان کامل کی خاطر فراہم کر کے سامنے رکھتا ہے، اور لفظ لفظ کی تنقیح کامل کے بعد اپنی کتاب منصۂ شہود پر لاتا ہے۔ اسی طرح تدوین ثانی اور تدوین ثالث میں بھی یہ احتیاطیں برتی گئیں بلکہ وہ تنقیحات عصر حاضر کی تحقیقات سے بدرجہا فائق تھیں آج کی کتابیں متواتر اور جماعت کثیرہ کو حفظ نہیں ہوتیں اس لئے یہ تمام انتظامات کئے جاتے ہیں مگر ان محتاط صحابہ کرام نے دین حق کی اساس "قرآن عظیم" کی اہمیت کے پیش نظر تواتر و حفظ کے باوجود پہلے تمام ممکنہ تائیدات حاصل کرلیں پھر کہیں صحیفوں اور مصاحف میں آیات قرآنی درج کیں۔

راقم کے مذکورہ بیان کی بنیاد کسی اختراع یا احتمال محض پر نہیں بلکہ متعدد روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحف صدیقی کے ساتھ

لوگوں کے پاس سے چرمی پارچوں سنگی تختیوں وغیرہ میں لکھے ہوئے اجزار قرآن بھی جمع کئے اور حفاظ و قراء کی طرف بھی موقع بموقع رجوع کیا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی املا کرائی ہوئی یادداشتوں کے بارے میں اگرچہ ہمیں اب تک کوئی واضح صریح اور مفصل روایت نہ ملی مگر ظاہر ہے کہ جب اتنی تمام تحقیقات فرمائیں تو یقیناً صدیقی صحیفوں کے ساتھ وہ یادداشتیں بھی سامنے رکھی ہوں گی اس لئے کہ یہ سب سے معتمد اور سب کا ماخذ تھیں۔ ہاں اس پر ایک دلیل وہی نقد تِ آیۃ من الاحزاب ہے جس سے تفصیلی استدلال ابھی گذرا۔

روایات (۱) ابن ابی داؤد اور ابن عساکر نے حضرت مصعب بن سعد سے روایت کی ہے انہوں نے بیان کیا کہ حضرت عثمان نے کھڑے ہوکر لوگوں کو خطبہ دیتے ہوئے فرمایا۔ اے لوگو! تمہارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے کو ابھی صرف تیرہ سال گذرے اور تمہارا حال یہ ہے کہ قرآن میں شک لاتے ہو۔ کہتے ہو اُبی کی قرارت۔ عبداللہ کی قرأت۔ کوئی کہتا ہے بخدا تمہاری قرأت درست نہیں۔

فاعزم علی کل رجل منھم	تو میں ہر اس شخص پر لازم کرتا ہوں
کان معہ من کتاب اللہ شئ	جس کے پاس کتاب کا کوئی حصہ ہو
لما جاء بہ فکان الرجل یجئ	کہ وہ اسے ضرور لے آئے تو آدمی
بالورقۃ والادیم فیہ القرآن	ورق اور چرمی پارچہ لاتا جس میں
حتی جمع من ذٰلک اکثرہ ثم دخل	قرآن ہوتا یہاں تک کہ حضرت عثمان
عثمان فدعاھم رجلا رجلا	نے اس میں سے اکثر جمع کر لیا۔ پھر
فناشدھم اسمعت رسول اللہ	اندر جا کر ایک ایک آدمی کو بلایا اور
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وھو املاہ	اسے قسم دی کہ کیا تم نے یہ رسول اللہ

علیک فیقول نعم۔	صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا ہے اور انہوں نے تمہیں املا کرایا ہے وہ کہتا " ہاں"

- - - - - - - - - - - - -

جب اس سے فارغ ہوئے تو فرمایا لوگوں میں سب سے زیادہ کتابت کرنیوالا کون ہے؟ لوگوں نے کہا " زید بن ثابت " فرمایا تو عربیت میں سب سے زیادہ فائق کون ہے عرض کیا گیا۔ سعید ابن العاص۔ فرمایا تو سعید لکھائیں اور زید لکھیں چنانچہ حضرت زید نے لکھا اور اس مصحف کے ساتھ اور بھی مصاحف لکھے گئے جنہیں حضرت عثمان نے لوگوں میں تقسیم کردیا۔ میں نے بعض اصحاب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ عثمان نے اچھا کیا۔

(کنزالعمال ج ا ص ۲۸۲)

ابن ابی داؤد اور مستدرک حاکم کی ایک اور روایت حضرت مصعب بن زید ہی سے ہے اس میں یوں ہے۔

عزمت علی من عنده شئ من القرآن سمعه من رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لما اتانی به فجعل الرجل یاتیه باللوح والکتف والعسیب فیه الکتاب فمن اتاه بشئ قال انت سمعته من رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم	میں نے ہر شخص پر لازم کیا کہ جس کے پاس قرآن کا کوئی ایسا حصہ ہو جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہو تو اسے لے آئے۔ آدمی تختی، اونٹ کے مونڈھے کے پاس کی ہڈی اور درخت خرما کی شاخ لاتا جس میں قرآنی نوشتہ ہوتا جو بھی ان کے پاس کچھ لاتا اس سے فرماتے کیا تم نے اسے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا ہے؟
(کنزالعمال ج ا ص ۲۸۳)	

(۲) ابن ابی داؤد نے امام محمد بن سیرین سے روایت کی ہے انہوں نے فرمایا کہ مجھ سے کثیر بن افلح نے بیان کیا کہ وہ بھی مصاحف کی کتابت میں شامل تھے۔ تو بسا اوقات آیت میں لوگوں کا اختلاف ہوتا تو اسے مؤخر کر دیتے۔ میں نے کثیر سے پوچھا مؤخر کیوں کرتے؟ فرمایا مجھے معلوم نہیں۔ محمد بن سیرین فرماتے ہیں مجھے اس کی ایک وجہ سمجھ میں آتی ہے۔ اسے یقینی وجہ نہ قرار دے لینا۔ میرا گمان یہ ہے کہ جب اختلاف ہوتا تو اسے اس لئے مؤخر کر دیتے کہ دیکھیں قرآن کے دورۂ اخیرہ کی نسبت سب سے جدید وقریب کون ہے؟ تاکہ اسی کے قول پر اسے لکھیں۔ (کنز العمال ج ۱ ص ۲۸۳)

(۳) ابن ابی داؤد، ابن الانباری اور امام ابوجعفر طحاوی اپنی سند کے ساتھ ابوقلابہ سے راوی ہیں۔ (الفاظ طحاوی کے ہیں)

قال حدثنی رجل من بنی عامر یقال له انس بن مالك قال اختلفوا فی القرآن علی عهد عثمان حتی اقبل الغلمان والمعلمون فبلغ ذلك عثمان فقال عندی یکذبون به ویختلفون فیه فمن نائ عنی کان اشد تکذیبا وبخابة، اصحاب محمد اجتمعوا فاكتبوا للناس (اماما)، قال فکتبوا فحدثوا انهم کانوا اذا تماروا فی آیة قالوا هذه الآیة اقراءها رسول الله

انہوں نے فرمایا بنی عامر کے ایک آدمی نے مجھ سے حدیث بیان کی۔ انہیں انس بن مالک کہا جاتا۔ فرمایا عہد عثمانی میں قرآن کے اندر لوگوں نے باہم اختلاف کیا یہاں تک کہ لڑکے اور معلمین آئے تو حضرت عثمان کو اس کی خبر پہنچی انہوں نے فرمایا میرے پاس لوگ اسے جھٹلاتے اور اس میں اختلاف کرتے ہیں۔ جو مجھ سے دور ہیں وہ تو اور بھی زیادہ تکذیب واختلاف میں مبتلا ہوں گے اے اصحاب رسول مجتمع ہو کر لوگوں کے لئے ایک "مصحف امام" لکھ دو۔

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فلانا فیرسل الیہ وھو علیٰ راس ثلاث من المدینۃ فیقال کیف اقرأک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کذا وکذا فیقول کذا وکذا۔ فیکتبونہا وقد ترکوا لہا مکانا۔

(مشکل الآثار للامام ابی جعفر الطحاوی ج ۴ ص ۱۹۴ طبع اول ۱۳۳۳ھ دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن)

(کنز العمال ج ۱ ص ۲۸۲)

انس بن مالک نے فرمایا۔ تو لوگوں نے مصحف لکھا۔ لوگوں نے بیان کیا کہ جب کسی آیت میں ان کا اختلاف ہوتا تو کہتے یہ آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فلاں کو پڑھائی تھی۔ اس کے پاس خبر بھیجی جاتی۔ اور وہ مدینہ سے تین دن کی دوری پر ہوتا تو کہا جاتا تمہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فلان فلاں آیت کیونکر پڑھائی تھی۔ وہ بتاتا اس اس طرح۔ تو (اس کے بیان کے مطابق) لوگ لکھتے اور پہلے سے اس آیت کے لئے جگہ چھوڑے ہوتے۔

ان روایات سے ظاہر ہے کہ عہد عثمانی میں صدیقی صحیفوں سے مصاحف تیار کرنے کے ساتھ مزید اطمینان اور تنقیح کامل کی خاطر دوسرے ذرائع تحقیق بھی عمل میں لائے گئے اور ہرگز اس میں کوئی قباحت نہیں کہ ایک معتمد نسخہ کے ہوتے ہوئے دوسرے ذرائع سے مزید اعتماد و اطمینان حاصل کر لیا جائے۔ جیسے عہد صدیقی میں باوجودیکہ کاتب وحی اور حضرات جامعین کے نزدیک قرآن غیر قرآن سے ممتاز اور ہر آیت متواتر و یقینی تھی۔ مگر اطمینان کامل اور احتیاط مزید کی خاطر عہد نبوی کے محفوظ نوشتے بھی پیش نظر رکھے گئے۔ لوگوں کے پاس جو اور نوشتے تھے وہ بھی جمع کئے گئے۔ ہر نوشتے اور ہر آیت کے لئے دو شاہد بھی طلب کئے گئے۔ یوں ہی حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اگر صرف صحف صدیقی سے نقل پر اکتفا کر لیتے تو بھی کوئی حرج نہ تھا۔ مگر انھوں نے مزید

تحقیق اور اطمینان کے لئے دوسرے نوشتے بھی جمع کئے۔ جب ضرورت حفاظ اور قرار سے بھی رجوع کیا۔ عہد رسالت کی بھی یادداشتیں پیش نظر رکھیں۔ قریبًا چودہ پندرہ برس کا عرصہ گزر جانے کے بعد ان یادداشتوں میں سے اس وقت سورۂ احزاب کی ایک آیت رجال صدقوا ما عاھدوا اللہ علیہ کھو گئی تھی۔ مگر پھر حضرت خزیمہ صاحب شہادتین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس سے وہ آیت عہد رسالت ہی کی تحریر شدہ حاصل ہو گئی۔ پھر مصحف شریف میں اپنے مقام پر ثبت کی گئی۔

اس تفصیل بحث سے معلوم ہوا کہ ہرگز صحف صدیقی میں بھی کسی آیت کی کمی نہ تھی حفظ الٰہی کے زیر عنایت صدیقی صحیفے بھی تام و کامل تھے اور مصحف عثمانی بھی۔ نہ اس وقت کوئی آیت چھوٹی نہ اس وقت کوئی آیت چھوٹنے کا امکان۔ حدیث کا صحیح معنی و مفہوم متعین کئے بغیر نقص قرآن کے شکوک و اوہام پیدا کرنا کوئی کمال نہیں قرآن کریم رب العلمین کی وہ مقدس کتاب ہے جو ہر زمانہ اور ہر دور میں نقص و کمی، اضافہ و زیادتی اور ترمیم و تحریف سے محفوظ رہی اور ہمیشہ محفوظ رہے گی۔

بے جا اوہام و شبہات پیش کر کے تورات و انجیل کی خود کردہ تحریفات پر پردہ نہیں ڈالا جا سکتا۔ جو جرم واقعی ہے وہ نمایاں ہی رہے گا۔ اور جس میں خوبیاں ہی خوبیاں ہیں وہ بھی اپنی تمام تر نزاہت و حقانیت کے ساتھ ابد تک جلوہ گر رہے گا۔

احراق مصاحف کی روایات

تدوین ثالث کی تفصیل میں حضرت انس بن مالک کی منقولہ روایت کا آخری جملہ یہ ہے۔

وامر بما سواہ من القرآن فی کل صحیفۃ او مصحف ان	اس کے علاوہ کسی صحیفے یا مصحف میں جو کچھ قرآن تھا حضرت عثمان نے

يحرق ۔	ئسے نظر آتش کرا دیا۔

فتح الباری میں ہے۔

فی روایة الاکثرین ان يخرق بالخاء المعجمة ۔	صحیح بخاری کے اکثر راویوں کے نزدیک "ان یخرق" خا معجمہ کے ساتھ ہے۔

اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ انہوں نے باقی سب کو چاک کرا دیا۔ لیکن اسی فتح الباری میں آگے یہ ہے۔

وفی روایة ابی قلابة فلما فرغ عثمان من المصحف کتب الی اھل الامصار انی قد صنعت کذا وکذا ومحوت ما عندی فامحوا ما عندکم۔ والمحو اعم ان یکون بالغسل اوالتحریق۔ واکثر الروایات صریح فی التحریق فھو الذی وقع (ص ۱۷ ج ۹)	ابو قلابہ کی روایت میں ہے کہ جب حضرت عثمان مصحف کی تدوین سے فارغ ہوئے تو اہل بلاد کو لکھا کہ میں نے ایسا ایسا کیا ہے اور جو میرے پاس تھا اسے مٹا دیا۔ تمہارے پاس جو ہے اسے تم بھی مٹا دو۔ مٹانا دونوں طرح ہو سکتا ہے۔ دھو کر بھی اور جلا کر بھی ــ اور اکثر روایات میں نذر آتش کرنے کا صراحۃً ذکر ہے تو ہوا یہی ہے۔

مثلاً بخاری نے باب خلق افعال العباد میں ابن ابی داؤد اور ابن الانباری نے مصاحف میں مصعب بن سعد سے روایت ہے۔

قال ادرکت الناس متوافرین حین حرق عثمان المصاحف	میں نے بکثرت لوگوں کو اس وقت پایا جب حضرت عثمان نے مصاحف

فاعجبهم ذلك ولم ينكر ذلك منهم احد۔ (کنز العمال ج ۲ ص ۲۸۱)	نذر آتش کرائے۔ سب نے اسے پسند کیا۔ اور کسی نے اس کا انکار نہ کیا۔

ابن ابی داؤد اور طبرانی وغیرہما نے شعیب سے روایت کی ہے۔

وامرهم ان يحرقوا كل مصحف يخالف المصحف الذى ارسل به۔	حضرت عثمان نے ہر وہ مصحف نذر آتش کرنے کا حکم دیا جو ان مصاحف کے خلاف تھا جنہیں بلاد اسلامیہ میں بھیجا گیا۔

بکیر بن اشج کی روایت میں ہے۔

فامر بجمع المصاحف فاحرقها ثم بث فى الاجناد التى كتبت	دیگر مصاحف جمع کر کے نذر آتش کرائے پھر نئے کتابت شدہ مصاحف لشکروں میں بھیجے۔

سوید بن غفلہ نے حضرت علی سے روایت کی ہے۔ انہوں نے فرمایا۔

لاتقولوا لعثمان فى احراق المصاحف الاخيرا۔ (فتح الباری ص ۱۷ ج ۹۔ عمدۃ القاری ص ۱۹ ج ۲)	مصاحف نذر آتش کرانے سے متعلق عثمان کو خیر کے سوا کچھ نہ ہو۔

علامہ ابن حجر مزید فرماتے ہیں۔

ويحتمل وقوع كل منهما بحسب ما رائ من كان بيده شى من ذلك۔	ہو سکتا ہے، دھویا بھی گیا ہو۔ نذر آتش بھی کیا گیا۔ جس کے ہاتھ میں صحیفہ یا مصحف تھا اس نے جیسا خیال کیا ہو عمل میں لایا۔

جواز احراق

مصحف جلانا جائز ہے یا نہیں - اس بارے میں ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز فرماتے ہیں

واختلف العلماء فی ورق المصحف البالی اذا لم یبق فیہ نفع ان الاولی ھو الغسل او الاحراق - فقیل الثانی لانہ یدفع سائر صور الامتھان بخلاف الغسل فانہ تداس غسالتہ وقیل الغسل - وتصب الغسالہ لان الحرق فیہ نوع اھانۃ

(مرقات ج ۲ ص ۶۳۱)

مصحف کا بوسیدہ ورق جس سے کوئی فائدہ نہ رہ گیا ہو اس کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے کہ اُسے دھوڈالنا بہتر ہے یا جلانا۔ ایک قول یہ ہے کہ جلانا بہتر ہے۔ کیونکہ دھونے میں ایک قسم کی اہانت یہ ہوگی کہ غسالہ پیروں سے روندا جائے گا اور جلانے میں اس طرح کی کوئی اہانت نہیں ہوسکتی۔ دوسرا قول یہ ہے کہ دھونا بہتر ہے۔ غسالے کو کسی پاک جگہ میں بہا دیا جائے گا کیونکہ جلانے میں ایک طرح کی اہانت ہے۔

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر حضرت عثمان نے جلانے ہی کو ترجیح کیوں دی - مرقات میں ہے -

صنیعہ کان بما ثبت انہ لیس من القرآن او بما اختلط بہ اختلاطا لا یقبل الانفکاک وانما

حضرت عثمان نے نذر آتش اُسے کرایا جو قرآن نہ تھا۔ یا قرآن سے اتنا خلط ملط ہوگیا تھا کہ اسے جدا نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اور انہوں

اختار الاحراق لانہ یزیل	نے جلانے ہی کو اس لئے ترجیح دی
الشک فی کونہ ترک بعض	کہ اس سے یہ شبہہ دور ہو جاتا ہے
القرآن اذ لوکان قرآنا لم یجوز	کہ انہوں نے کچھ قرآن چھوڑ دیا
مسلم ان یحرقہ۔	کیونکہ اگر وہ قرآن (غیر منسوخ) ہوتا
(مرقات ج۲ ص۶۳۱)	تو کوئی مسلمان اُسے جلانا روا نہ رکھتا۔

امام قاضی عیاض رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔

غسلوھا بالماء ثم احرقوھا	لوگوں نے پہلے اسے پانی سے دھو
مبالغۃ فی اذھابہا	لیا پھر جلایا، تاکہ اچھی طرح تلف ہو جائے۔

علامہ محمود عینی فرماتے ہیں۔

وقیل ھذا کان فی ذالک	کہا گیا یہ اس وقت تھا، لیکن اب
الوقت واما الآن فالغسل اولی	اگر ایسی ضرورت ہو تو دھونا ہی اولیٰ ہے
اذا دعت الحاجۃ الی ازا	ہمارے علمائے حنفیہ نے فرمایا جب
لتہ وقال اصحابنا الحنفیۃ ان المصحف	مصحف اتنا بوسیدہ ہو جائے کہ اس
اذا بلی بحیث لاینتفع بہ یدفن فی	سے فائدہ نہ حاصل ہو سکے تو لوگوں
مکان طاھر بعید عن وطاء الناس۔	کی پامالی سے دور کسی پاک جگہ دفن
(عمدۃ القاری ج۲۰ ص۱۹)	کر دیا جائے۔

علاء الدین محمد بن علی حصکفی لکھتے ہیں۔

المصحف اذا صار بحال لایقرء	جب مصحف اس حالت کو پہنچ جائے
فیہ یدفن کالمسلم۔	کہ اس میں تلاوت نہ ہو سکے تو اسے
(در مختار ج۱ ص۱۵ مطبع نولکشور لکھنؤ)	"مسلم" کی طرح دفن کر دیا جائے

وہ مصاحف جن میں غیر قرآن، قرآن سے مخلوط تھا یا قراءات شاذہ یا قراءات

منسوخہ تھیں۔ انہیں حضرت ذوالنورین نے صرف اس لیے نذر آتش کرایا کہ فتنۂ اختلاف بالکل فرو ہو جائے، اور آئندہ ایسا نہ ہو کہ کوئی شخص ان مصاحف کو پیش کر کے مسلمانوں کی جماعت میں پھر انتشار پیدا کرے۔ اور انہیں ایک زبان اور ایک قرآن پر مجتمع نہ رہنے دے۔ ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ

علامہ ابن حجر فرماتے ہیں۔ ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ

ولھذا استدرك مروان الامر بعدھا واعدمھا ایضاً خشیۃ ان یقع لاحد توھم ان فیھا ما یخالف المصحف الذی استقر علیہ الامر۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۱۷)

اسی لئے بعد میں مروان نے اس کام کا استدراک اور تلافی مافات کی اور ان صحیفوں کو بھی تلف کرادیا اس اندیشے کے تحت کہ کسی کو یہ وہم نہ ہو کہ ان صحیفوں میں کوئی حصّہ ایسا ہے جو اس مصحف کے خلاف ہے جس پر عملدرآمد مستقر ہو چکا ہے۔

حضرت علی مرتضٰی کی تائید

ابن ابی داؤد نے بسند صحیح حضرت سوید بن غفلہ سے روایت کی، انہوں نے فرمایا۔

قال علی لا تقولوا فی عثمان الا خیرا فو اللہ ما فعل الذی فعل فی المصاحف الا عن ملأ منا۔

(اتقان ص ۶۱)

حضرت علی کا فرمان ہے کہ حضرت عثمان کے بارے میں کلمۂ خیر ہی کہو، کیونکہ انہوں نے مصاحف کے بارے میں جو کچھ بھی کیا صرف اپنی رائے سے نہیں بلکہ ہماری ایک جماعت کے مشورے سے کیا۔

ان ہی سے ایک روایت میں ہے۔

لو ولیت لعملت بالمصحف	میں خلیفہ ہوتا تو مصحف کے معاملہ
الذی عملہ عثمان ۔	میں وہی کرتا جو حضرت عثمان نے کیا۔
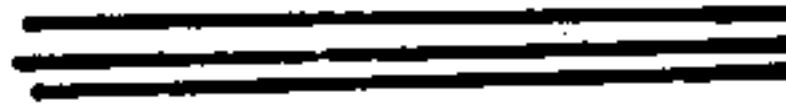
ترتیب آیات و سُوَر

اوراق گذشتہ میں یہ ذکر ہوا ہے کہ عہد رسالت کی تدوین میں ترتیب آیات نہ تھی۔ تدوین ثانی میں ترتیب آیات کا کام ہوا۔ اور تدوین ثالث میں سورتوں کے درمیان بھی ترتیب قائم ہو گئی۔

یہاں ایک اہم بحث یہ ہے کہ یہ آیات اور سورتوں کی ترتیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و توقیف سے ہوئی۔ یا اجتہاد صحابہ سے؟ یہ بحث دو حصوں میں تقسیم کی جاتی ہے۔ ترتیب آیات۔ ترتیب سُوَر۔

ترتیب آیات

بے شمار نصوص اور اجماع امت سے یہ امر قطعی طور پر ثابت ہو چکا ہے کہ آیات کی ترتیب توقیفی ہے اور وحی الٰہی بحکم رسول علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے مطابق تمام آیات کی تدوین ہوئی ہے۔

نصوص

(۱) حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث گذر چکی ہے۔

كنا عند النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم نؤلف القرآن في الرقاع (مستدرک، ترمذی)	ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس پرچی پارچوں میں قرآن کی تالیف کرتے۔

اس کے بارے میں امام بیہقی فرماتے ہیں۔

يشبه ان يكون المراد تاليف	اس کا مناسب مطلب یہ ہے کہ

ما نزل من الآیات المفرقۃ فی سورھا وجمعھا فیھا باشارۃ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (اتقان ج ۱ ص ۵۹ نوع ۱۸)

وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم سے الگ الگ آیتوں کو ان کی سورتوں میں ترتیب سے جمع کرتے۔

(۲) امام احمد، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن المنذر، ابن ابی داؤد، ابن الانباری، ابوعبید، نحاس، ابن حبان، ابونعیم، ابن مردویہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی ہیں۔

قلت لعثمان ماحملکم علی ان عمدتم الی الانفال وھی من المثانی والی براۃ وھی من المئین فقرنتم بینھما ولم تکتبوا بینھما سطر بسم اللہ الرحمن الرحیم ووضعتموھا فی السبع الطوال فقال عثمان کان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تنزل علیہ السور ذات العدد فکان اذا انزل علیہ الشئ دعا بعض من کان یکتب فیقول ضعوا ھؤلاء الآیات فی السورۃ التی یذکر فیھا کذا وکذا وکانت الانفال من اوائل ما نزل بالمدینۃ

میں نے حضرت عثمان سے عرض کیا آپ نے سورۂ انفال اور سورۂ براءت کے درمیان "بسم اللہ الرحمن الرحیم" نہ لکھ کر دونوں کو متصل کیوں کر دیا؟ حالانکہ انفال "مثانی"[۱] سے اور براءت "مئین"[۲] سے ہے۔ اور پھر انہیں "سبع طوال"[۳] میں کیوں شامل کر دیا؟ تو حضرت عثمان نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر متعدد سورتیں نازل ہوتی رہتیں۔ جب کوئی وحی نازل ہوتی تو حضور کسی کاتب وحی کو بلا کر حکم فرماتے کہ یہ آیات اس سورہ میں لکھو جس میں ایسا ایسا ذکر ہے۔ اور سورۂ انفال مدینہ میں ابتداءً نازل شدہ سورتوں سے تھی اور

[۱] تا [۳] ایک قول پر۔ سبع طوال۔ سات لمبی سورتیں جن میں پہلی بقرہ اور آخری براءت ہے۔ مئین۔ طوال کے بعد کی سورتیں کیونکہ وہ تقریباً (مائۃ) سو آیات پر مشتمل ہیں۔ مثانی۔ مئین کے بعد کی سورتیں جو تعداد میں مئین کے قریب

وکانت براءة من اخر القران نزولاً وکانت قصتها شبیهة بقصتها فظننت انها منها نقبض رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ولم یبین لنا انها منها من اجل ذالك قرنت بینهما ولما کتب بینهما سطر بسم اللہ الرحمن الرحیم ووضعتها فی السبع الطوال۔

(کنز العمال ج ۱ ص ۲۸۱)

سورۂ برات نزول میں قرآن کی آخری سورۃ تھی اور مضمون دونوں کا ملتا جلتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی اور حضور نے ہم سے بیان نہ فرمایا کہ یہ سورۂ اسی سے ہے اب میں نے مضمون کی یکسانی سے یہی سمجھا کہ سورۂ برات سورۂ انفال ہی سے ہے اس لئے میں نے دونوں کو متصل کر دیا۔ اور درمیان میں بسم اللہ الرحمن الرحیم کی سطر نہ لکھی اور اسے میں نے سات لمبی سورتوں میں رکھا۔

حاکم نے مستدرک میں اسے روایت کر کے فرمایا ھذا حدیث صحیح الاسناد اس حدیث کی اسناد صحیح ہے۔ مستدرک ج ۲ ص ۲۲۱ و ۳۳۰

(۳) متعدد احادیث سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مختلف سورتیں لوگوں کے سامنے پڑھنا ثابت ہے۔ حضرت حذیفہ کی حدیث میں بقرہ، آل عمران اور نساء پڑھنا مذکور ہے۔

صحیح بخاری میں ہے کہ حضور نے مغرب میں سورۂ اعراف پڑھی۔ نسائی کی روایت ہے کہ حضور نے فجر میں قد افلح پڑھی۔ جب موسیٰ و ہارون علیہما السلام کا ذکر آیا۔ تو حضور کو کھانسی آئی اور رکوع کر دیا۔ طبرانی کی روایت ہے کہ نماز صبح میں سورۂ روم کی قرا[illegible]

بخاری و مسلم میں ہے کہ جمعہ کے دن کی نماز فجر میں الم تنزیل اور ھل اتی علی الانسان کی قراءت فرماتے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ خطبہ میں سورۂ ق پڑھتے۔ مستدرک وغیرہ میں ہے کہ حضور نے جنوں کو سورۂ رحمٰن سنائی۔ صحیح بخاری میں ہے کہ کفار مکہ کو سورۃ والنجم سنائی اور آخر میں سجدۂ تلاوت کیا۔ مسلم میں ہے کہ عید و جمعہ میں "ق" کے ساتھ اقتربت کی بھی قرائت فرماتے۔

مستدرک میں عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ سورہ صف نازل ہوئی تو پوری سورہ حضور نے لوگوں کو پڑھ کر سنائی۔ اسی طرح مفصل (سورہ حجرات سے آخر قرآن تک) کی متعدد سورتوں کا صحابۂ کرام کی موجودگی میں پڑھنا ثابت ہے۔ یوں ہی اور بھی احادیث ہیں جن میں سرکار کا آیات کی باترتیب تلاوت یا چند آیات کے یکجا ذکر کرنے کا ثبوت ملتا ہے۔

جب مجمع صحابہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ قرائتیں ہوئی ہیں تو یہ تصور نہیں کیا جا سکتا کہ صحابہ کرام اس کے علاوہ کسی اور ترتیب کی اختراع فرمائیں گے۔ یا اگر کوئی شخص ایسا کرے تو اسے تمام صحابہ مان لیں گے۔ پس عہد صدیقی کی تدوین اور اس پر صحابہ کے عمل اور قبول عام سے یہ امر حد تواتر تک پہنچ جاتا ہے کہ آیات کی ترتیب توقیفی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔

اجماع

متعدد ائمہ فن نے ترتیب آیات کے توقیفی ہونے پر اجماع نقل کیا ہے۔ زرکشی برہان میں اور ابوجعفر بن زبیر مناسبہ میں اس کا ذکر فرماتے ہیں۔ مؤخر الذکر کے الفاظ یہ ہیں۔

ترتیب الآیات واقع بتوقیفہ صلی اللہ تعالیٰ	بلا اختلاف مسلمین یہ امر ثابت ہے کہ سورتوں میں آیات کی ترتیب

علیہ وسلم وامرہ من غیر خلاف فی ھذا بین المسلمین (اتقان ج۱ نوع ۱۸ ص ۶۲)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی توقیف اور ان کے حکم کے مطابق ہے۔

ابن حصار فرماتے ہیں۔

ترتیب السور ووضع الآیات مواضعہا انما کان بالوحی کان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یقول ضعوا آیۃ کذا فی موضع کذا وقد حصل الیقین من النقل المتواتر بھذا الترتیب من تلاوۃ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ومما اجمع الصحابۃ علی وضعہ ھکذا فی المصحف (الاتقان ج۱ ص ۶۳)

سورتوں کی ترتیب اور آیات کو ان کے مقام پر رکھنے کا کام وحی ہی کے ذریعے ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حکم دیتے تھے۔ فلاں آیت فلاں جگہ لکھو یہ ترتیب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نقل متواتر اور صحابہ کے اسی کو مصاحف میں ثبت رکھنے سے قطعی و یقینی ہو چکی ہے۔

امام مکی اور دوسرے حضرات فرماتے ہیں۔

ترتیب الآیات فی السور بامر النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ولما لم یأمر بذلک فی اول براۃ ترکت بلا بسملۃ۔ (اتقان نوع ۱۸ ص ۶۳)

سورتوں میں آیات کی ترتیب حکم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ہے اور چونکہ سورۃ برات کے شروع میں بسم اللہ کے متعلق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی حکم نہ دیا، اس لئے وہ بغیر بسملہ ہی رہی

ان احادیث. اور علمائے امت کی عبارات سے یہ بات بالکل واضح ہو گئی کہ آیات کی ترتیب توقیفی اور مطابق وحی ہے. دور صحابہ سے لے کر اس زمانے تک امت کا اسی ترتیب پر اجماع قائم ہے۔

سورتوں کی ترتیب

سورتوں کی ترتیب کے بارے میں اگرچہ جمہور کا خیال یہ ہے کہ یہ ترتیب صحابہ نے اپنے اجتہاد سے رکھی ہے. مگر محققین کی رائے یہی ہے کہ ترتیب سُوَر بھی توقیفی اور تعلیم رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مطابق ہے۔

محققین کے دلائل حسب ذیل ہیں ــــ

(۱) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے میں سورتوں کے درمیان بھی ایک خاص ترتیب ضرور تھی. اس لئے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مجمع صحابہ میں متعدد سورتیں ایک ساتھ ترتیب خاص پڑھنا یا بتانا ثابت ہے. مثلاً مسلم شریف کی حدیث میں ہے۔

اقرأوا الزھراوین البقرۃ وآل عمران۔ — دونوں روشن تر سورتیں. بقرہ اور آل عمران پڑھا کرو۔

مصنف ابن ابی شیبہ میں سعید بن خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔

قرأ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بالسبع الطوال فی — ساتوں لمبی سورتیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک رکعت

رکعۃ۔ میں پڑھیں۔

اسی میں ہے۔

انہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کان یجمع المفصل فی رکعۃ

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مفصل ایک رکعت میں پڑھا کرتے۔

صحیح بخاری میں ہے۔

انہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کان اذا اوی الی فراشہ جمع کفیہ ثم نفث فیھما فقرأ قل ھو اللہ احد۔ و المعوذتین۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بستر پر آرام کے لئے تشریف لاتے تو اپنی ہتھیلیاں جمع کرتے پھر ان میں قل ھو اللہ احد اور معوذتین پڑھ کر دم کر لیتے۔

ابن عطیہ فرماتے ہیں۔

ان کثیرا من السور کان قد علم ترتیبہا فی حیاتہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کالسبع الطوال و الحوامیم والمفصل۔

بہت سی سورتوں کی ترتیب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں معلوم ہو چکی تھی۔ جیسے۔ ساتوں لمبی سورتیں اور وہ سورتیں جن کے شروع میں حٰمٓ ہے اور مفصل۔

ابن جعفر بن زبیر فرماتے ہیں۔

الآثار تشہد باکثر مما نص علیہ ابن عطیۃ ویبقی منھا

ابن عطیہ نے جن سورتوں کا ذکر کیا ہے آثار ان سے زیادہ کی ترتیب معلوم ہو جانے پر شاہد ہیں۔

قلیل یمکن ان یجری فیہ الخلاف۔	کچھ رہ جاتی ہیں جن میں اختلاف ہو سکتا ہے۔

(۲) امام بیہقی مدخل میں فرماتے ہیں۔

کان القرآن علی عہد النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مرتبا سورہ وآیاتہ علی ھذا الترتیب الا الانفال وبراءۃ لحدیث عثمان السابق۔ (اتقان نوع ۱۸ ص ۶۴ ج ۱)	قرآن کی سورتیں اور آیات رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانے میں اسی ترتیب پر تھیں۔ صرف انفال اور برارت مستثنیٰ ہیں۔ جیساکہ حضرت عثمان کی گذشتہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔

اتقان نوع ۱۸ ص ۶۴ ج ۱

امام بیہقی کا یہ استثناء غیر صحیح ہے۔ حضرت عثمان کی حدیث کا یہ مطلب نہیں کہ تمام سورتوں کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا فرمان موجود تھا کہ فلاں فلاں مقام پر لکھی جائیں۔ مگر انفال و برارت کے متعلق کوئی حکم نہ تھا۔ نہ سوال ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما کی یہ غرض ہے۔ نہ جواب حضرت عثمان کا یہ مقصود۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی وفات ہوگئی اور انہوں نے ہمیں یہ نہ بتایا کہ سورۂ توبہ (برارت) انفال ہی میں شامل ہے یا اس سے الگ ہے۔ اس جواب سے انہوں نے کنایتہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما کو یہ بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے برارت کے شروع میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھنے کا حکم نہ دیا۔ اس لئے نہ لکھی گئی۔

اس کی دلیل یہ ہے۔ خود حضرت عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حاکم نے مستدرک

میں ابوجعفر نحاس نے ناسخ میں ، سعید بن منصور نے سنن میں اور خود امام بیہقی نے بھی روایت کی ہے۔

قال کانت الانفال وبرأة قد عیان فی زمن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم القرینتین فلذلک جعلتھما فی السبع الطوال۔
(کنز العمال ج۱ ص ۲۸۱)

حضرت عثمان نے فرمایا انفال اور برارت کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے میں "قرینتین" (دونوں متصل سورتیں) کہا جاتا اسی لئے میں نے ان دونوں کو سبع طوال میں رکھا۔

دارقطنی اور ابن ابی شیبہ نے مسعس بن سلامہ سے روایت کی ہے۔

قال قلت لعثمان یا امیرالمومنین مابال الانفال وبرأة لیس بینھما بسم اللہ الرحمن الرحیم قال کانت تنزل السورة فلاتزال تکتب حتی ینزل بسم اللہ الرحمن الرحیم فاذا جاءت بسم الرحمن الرحیم[116] کتبت سورة اخری فنزلت الانفال لم یکتب بسم اللہ الرحمن الرحیم
(کنز العمال ج۱ ص ۲۸۰)

انہوں نے فرمایا میں نے حضرت عثمان سے عرض کیا۔ اے امیرالمومنین انفال اور برارة کا کیا معاملہ ہے کہ دونوں کے بیچ میں بسم اللہ الرحمن الرحیم نہیں ؟ فرمایا سورة نازل ہوتی تو اس کی کتابت ہوتی رہتی یہاں تک کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم نازل ہو جب بسم اللہ الرحمن الرحیم نازل ہوتی تو دوسری سورة لکھی جاتی مگر انفال نازل ہوئی تو اسکے بعد بسم اللہ الرحمن الرحیم نہ لکھی گئی اس لئے کہ سورة برارت کے شروع میں بسم اللہ الرحمن الرحیم نازل ہی نہ ہوئی۔

ان روایتوں سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے ہی سے برارت بعد انفال تھی۔ مگر دونوں کے درمیان چونکہ بسم اللہ نازل نہ ہوئی اس

لئے نہ لکھی گئی۔ البتہ انفال و توبہ کے درمیان فصل بسم اللہ نہ ہونے کے باعث
برارت کو انفال سے ایک قسم کا تعلق و اتصال اور مشابہت ہے۔ جیسے اجزا کو
مجموعے سے مشابہت ہوتی ہے۔ یہ مطلب بھی نہیں کہ برارۃ حقیقۃً جزو انفال ہے۔
اگر ایسا ہوتا تو اس سورہ کا علیحدہ نام نہ ہوتا۔

الغرض تمام سورتوں کے مقامات وہی ہیں جن میں وہ سورتیں ثبت ہیں
اور سورتوں کے یہ مقامات رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بتواتر منقول
ہیں۔ لہٰذا انفال و برارت کا معاملہ دوسری سورتوں سے مختلف کہنا اور ان کی
ترتیب کو بجائے توقیفی کے اجتہادی قرار دینا صحیح نہیں۔ (فواتح الرحموت
شرح مسلم الثبوت از ملابحر العلوم عبد العلی فرنگی محلی ص ۱۷ ج ۲ مطبع نولکشور لکھنؤ
۱۲۹۵ھ / ۱۸۷۸ء ذوالحجہ وحنوری)

کنزالعمال کی روایت دیکھنے کے بعد ہی امام بیہقی کے "استثناء" کی عدم
صحت میرے نزدیک واضح ہو گئی۔ پھر دیکھا کہ ملابحر العلوم نے فواتح الرحموت میں
اسے تفصیلاً تحریر فرمایا ہے اس لئے ان ہی کے حوالے سے لکھنا مناسب سمجھا۔
والحمد للہ۔

(۳) فتح الباری میں علامہ ابن حجر فرماتے ہیں۔

وممایدل علی ان ترتیبها	ترتیب سُوَر کے توقیفی ہونے پر
توقیفی مااخرجه احمد	ایک دلیل وہ حدیث بھی ہے جو احمد
وابوداؤد عن اوس بن	اور ابوداؤد نے بطریق اوس بن
ابی اوس عن حذیفة	ابی اوس حضرت حذیفہ ثقفی سے روایت
الثقفی قال کنت فی الوفد	کی ہے انہوں نے کہا میں بنی ثقیف
الذین اسلموا من ثقیف	کے اس وفد میں تھا جو اسلام لایا۔

(الحدیث) وفیہ فقال لنا	اسی طویل حدیث میں یہ حصّہ ہے۔ ہم
رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ	سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
علیہ وسلم طراء علیّ حزب	نے فرمایا مجھ پر قرآن کا ایک حصّہ
من القرآن فاردت ان لا	(قرآنی منزل) وارد ہوا میں نے چاہا
اخرج حتی انضیہ، فسألنا	کہ اسے پورا کرنے سے پہلے باہر نہ آؤں۔
اصحاب رسول اللہ صلی اللہ	ہم نے صحابۂ کرام سے دریافت کیا۔
تعالیٰ علیہ وسلم قلنا کیف	آپ لوگ قرارت کے لئے کس طرح
تحزبون القرآن؟ قالوا	قرآن کی منزلیں مقرر کرتے ہیں انھوں
نحزبہ ثلاث سور وخمس	نے کہا تین۳ سورتیں، پانچ۵ سورتیں،
سور وسبع سور، وتسع سور،	سات سورتیں، نو۹ سورتیں، گیارہ سورتیں،
واحدی عشرۃ وثلاث عشرۃ وحزب	تیرہ۱۳ سورتیں اور ایک حزب ق سے
من ق حتی نختم	ختم تک اسی ترتیب سے قرآن ہم
	پڑھتے ہیں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام عہد رسالت میں ختم قرآن کے لئے سات منزلیں مقرر کرتے تھے۔

پہلی منزل تین سورتوں پر مشتمل ہوتی۔ بقرہ، آل عمران، نسار، دوسری منزل پانچ سورتوں پر، مائدہ، انعام، اعراف، انفال، توبہ، تیسری منزل سات سورتوں پر، یونس، ہود، یوسف، رعد، ابراہیم، حجر، نحل، چوتھی منزل نو سورتوں پر، بنی اسرائیل، کہف، مریم، طٰہٰ، انبیار، حج، مؤمنون، نور، فرقان، پانچویں منزل، گیارہ سورتوں پر، شعرار، نمل، قصص، عنکبوت، روم، لقمان، سجدہ، احزاب، سبا، فاطر، یٰس، چھٹی منزل، تیرہ سورتوں پر، صافات،

ص، زمر، مؤمن، حم سجدہ، شوریٰ، زخرف، دخان، جاثیہ، احقاف، سورۂ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، فتح، حجرات اور ساتویں منزل، سورۂ قٓ سے آخر قرآن تک پر مشتمل تھی۔

منزلوں اور سورتوں کی یہ ترتیب بعینہ وہی ہے جو آج رائج ہے، اسی لئے علامہ ابن حجر فرماتے ہیں۔

فھذا یدل علی ان ترتیب السور علی ما ھو فی المصحف الاٰن کان علی عھد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ویحتمل ان الذی کان مرتبا حینئذ حزب المفصل خاصۃ بخلاف ما عداہ۔

یہ حدیث اس بات پر دال ہے کہ سورتوں کی جو ترتیب مصحف میں آج ہے وہی ترتیب عہد رسالت میں بھی تھی، ہاں یہ ممکن ہے کہ باضابطہ صرف منزل مفصل کی ترتیب رہی گئی ہو، اور بقیہ کی اس وقت اس طرح باضابطہ تدوین و ترتیب نہ رہی ہو۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۳۶)

(۴) متعدد احادیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر سال ماہ رمضان میں حضرت جبرئیل کے ساتھ نازل شدہ قرآن کا دور کرتے، اور زندگی کے آخری رمضان میں دو بار قرآن کا دور کیا۔ تدوین صحابہ اسی دورۂ اخیر کے مطابق ہے۔

حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے۔

اسر الی ان جبریل کان یعارضنی القرآن کل سنۃ مرۃ وانہ عارضنی العام

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھ سے رازدارانہ فرمایا، جبرئیل میرے ساتھ ہر سال ایک بار

مرتین ولا اراہ الا حضر اجلی وانک اول اھل بیتی لحاقا بی۔ (بخاری باب علامات النبوت ج ۱ ص ۵۱۲)	قرآن کا دور کرتے اس سال دو بار میرے ساتھ قرآن کا دور کیا ہے اس سے میں یہی سمجھتا ہوں کہ میرا وقتِ اجل قریب آچکا ہے اور میرے گھر والوں میں سب سے پہلے تم مجھ سے ملوگی۔

صحیح بخاری، جامع ترمذی، اور سنن نسائی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے۔

قال کان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اجود الناس بالخیر وکان اجود ما یکون فی رمضان کان جبریل یلقاہ کل لیلۃ فی رمضان یعرض علیہ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم القرآن فاذا لقیہ جبریل کان اجود بالخیر من الریح المرسلۃ۔	انہوں نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خیر میں سب سے زیادہ سخی تھے، اور ان کی سخاوت رمضان میں اور بھی زیادہ ہوتی جبرئیل ان سے رمضان کی ہر شب میں ملتے۔ ان سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قرآن کا دور کرتے۔ تو جب جبرئیل ان سے ملتے تو ان کا فیضان کرم، نفع عام کے لئے بھیجی ہوئی ہوا سے بھی زیادہ ہوتا۔

امام بخاری ومسلم ونسائی وابن ماجہ نے حضرت ابوہریرہ سے روایت کی ہے۔

قال کان یعرض علی النبی	حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم القرآن کل عام مرۃ فعرض علیہ مرتین فی العام الذی قبض۔

کے ساتھ ہر سال قرآن کا ایک بار دور ہوتا۔ تو جس سال سرکار نے وفات پائی دو بار "دورۂ قرآن" ہوا۔

امام احمد، ابن ابی داؤد، اور طبری نے بطریق عبیدہ بن عمر سلمانی روایت کی ہے۔

ان الذی جمع علیہ عثمان الناس یوافق العرضۃ الاخیرۃ۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۳۷)

حضرت عثمان نے جس زبان و قرآن پر لوگوں کو جمع کیا ہے وہ دورۂ اخیرہ کے مطابق ہے۔

حاکم نے حضرت سمرہ سے بسند حسن روایت کی اور حاکم نے تو اسے صحیح بتایا ہے۔

عرض القرآن علی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عرضات ویقولون ان قراءتنا ھذا ھی العرضۃ الاخیرۃ۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر کئی بار قرآن کا دور ہوا۔ اور صحابہ بتاتے ہیں کہ ہماری یہ قرارت وہی آخری دورۂ قرآن والی ہے۔

ابن اشتہ نے حضرت ابن سیرین سے بھی حضرت ابن عباس و سمرہ کے ہم معنی روایت کی ہے۔ ابن الانباری نے مصاحف میں ابو عبد الرحمن سلمی سے روایت کی ہے کہ

کان قرأۃ ابی بکر و عمر و عثمان وزید بن ثابت والمهاجرین

حضرت ابوبکر، عمر، عثمان، زید بن ثابت، مہاجرین اور انصار کی

والانصار واحدة وهي التي قرأها صلى الله تعالى عليه وسلم على جبرئيل مرتين في العام الذي قبض فيه۔ وكان زيد شهد العرضة الاخيرة وكان يقرئ الناس بها حتى مات ولذلك اعتمده الصديق في جمعه وولاه عثمان كتبة المصاحف۔

(قسطلانی ج ۷ ص ۳۵۹)

قرارت ایک ہی تھی۔ اور یہ وہی تھی جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے سال وفات حضرت جبرئیل علیہ السّلام کے سامنے دو بار پڑھی۔ اور حضرت زید قرآن کے دورۂ اخیرہ میں حاضر تھے۔ اور لوگوں کو اپنی وفات تک وہی قرارت کرلتے تھے اسی لئے حضرت صدیق نے اپنی تدوین میں ان پر اعتماد کیا۔ اور حضرت عثمان نے کاتبین مصاحف کا سربراہ ان ہی کو بنایا۔

ابوعبید نے داؤد بن ہند سے روایت کی ہے۔

قال قلت للشعبي قوله تعالى شهر رمضان الذي انزل فيه القرآن اما كان ينزل عليه في سائر السنة قال بلى ولكن جبرئيل كان يعارض مع النبي صلى الله تعالى عليه وسلم في رمضان ما انزل الله فيحكم الله ما يشاء و

انہوں نے کہا میں نے امام شعبی سے عرض کیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے رمضان کا مہینہ جس میں قرآن اتارا گیا تو کیا قرآن باقی سال میں نہیں اترتا تھا؟ انہوں نے فرمایا کیوں نہیں! لیکن حضرت جبرئیل نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ ماہ رمضان میں، نازل شدہ

عہ کنز العمال ج ۱ ص ۲۸۴

ينسخ مايشاء فكان السر
فی عرضه مرتين
فی سنة الوفاة استقراره
علی ما كتب فی
المصحف العثمانی
والاقتصار عليه
وترك ماعداه
(قسطلانی ج ۷ ص ۳۶۴)

قرآن کا دور کیا کرتے تھے تو اللہ
تعالیٰ جسے چاہتا محکم فرماتا اور جسے
چاہتا منسوخ فرماتا۔ سال وفات
دو بار دور ہونے میں یہی راز تھا
کہ قرآن اسی پر مستقر ہو جائے جو
(بعد میں) مصحف عثمانی میں لکھا گیا
اسی پر اقتصار ہو اور اس کے
علاوہ کو ترک کر دیا جائے۔

(۵) علامہ جلال الدین عبد الرحمٰن بن ابی بکر سیوطی فرماتے ہیں۔

ومما يدل على انه توقيفی
كون الحواميم رتبت ولاء
وكذا الطواسين ولم ترتب
المسبحات ولاء بل فصل
بين سورها وفصل بين
طسم الشعراء وطسم
القصص بطس مع
انها اقصر منهما ولو
كان الترتيب اجتهادا
لذكرت المسبحات
ولاء واخرت

ترتیب سُوَر کے توقیفی ہونے کی
دلیل یہ بھی ہے کہ "حٰمٓ" اور "طٰسٓ"
والی سورتیں مسلسل مرتب کی گئیں۔
مگر جن سورتوں کے شروع میں سبح
کا کلمہ ہے وہ مسلسل نہیں، بلکہ ان
میں فصل ہے۔ اور "طٰسٓمٓ شعراء"
اور طٰسٓمٓ قصص کے درمیان
"طٰسٓ نمل" رکھی گئی ہے حالانکہ
یہ "طٰسٓ" ان دونوں سے چھوٹی
ہے۔ اگر ترتیب اجتہادی ہوتی تو
مسبحات (کلمہ تسبیح والی سورتیں)

طس عن القصص۔ مسلسل ہوتیں۔ اور "طٰسٓ نمل"
(اتقان ج۱ ص ۶۵) طسٓمٓ قصص کے بعد ہوتی۔

اسی معنی کے قریب علامہ قسطلانی نقل فرماتے ہیں۔

فنال بعضهم لترتيب وضع السور فی المصحف اشياء تطلعك علی انه توقيفی صادرعن حكيم۔ (ارشاد الساری ج۷، ص۳۶۳)

مصحف میں کتابت سور کی ترتیب پر کچھ ایسے شواہد ہیں۔ جن پر غور کرو تو تمہیں معلوم ہوگا کہ یہ ترتیب توقیفی اور بلاشبہ ایک حکمت والے کی طرف سے صادر ہے۔

توقیفی ہونے پر یہ چند امور دال ہیں۔

(۱) حروف کی یکسانیت، جیسے حم والی سورتیں ہیں۔ (۲) ہر سورہ کا شروع اس سے پہلی سورہ کے آخر سے معنوی موافقت رکھتا ہے۔ جیسے الحمد کا آخر اور بقرہ کا شروع ایک دوسرے سے مناسبت رکھتا ہے (۳) وزن لفظی کی مناسبت جیسے آخر تبّت اور اول اخلاص۔ (۴) مجموعی طور پر بھی ایک سورہ دوسری سے مشابہت رکھتی ہے جیسے والضحیٰ اور الم نشرح۔ ایضاً۔

علامہ قسطلانی نے اس کے علاوہ مزید باتیں بھی بیان کی ہیں۔ اور آیات و سور کی باہمی مناسبت تفسیر کبیر وغیرہ میں تو ہر جگہ مفصل طور پر بیان کی گئی ہے۔

○ علامہ بقاعی کی اس موضوع پر مستقل تصنیف ہے "نظم الدرر فی مناسبۃ الآی والسور" جو آٹھ جلدوں میں دائرۃ المعارف حیدرآباد سے شائع ہوئی ہے۔

ان بیانات کا مفاد یہی ہے کہ ترتیب سور توقیفی اور تعلیم رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مطابق ہے۔ بعینہٖ یہی ترتیب لوح محفوظ کی بھی ہے۔

علامہ کرمانی برہان میں فرماتے ہیں۔

ترتیب السور هکذا هو عند الله فی اللوح المحفوظ علی هذا الترتیب وعلیه کان صلی الله تعالیٰ علیه وسلم یعرض علی جبریل کل سنة ماکان یجتمع عنده منه وعرضه علیه فی السنة التی توفی فیها مرتین وکان اٰخر الاٰیات نزولا (واتقوا یوما ترجعون فیه الی الله) فامره جبریل ان یضعها بین اٰیتی الربا والدین (اتقان ج۱ ص۶۴)	سورتوں کی بعینہ یہی ترتیب لوح محفوظ میں بھی ہے۔ اور اسی ترتیب پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر سال جبرئیل علیہ السلام سے قرآن کا دور کرتے۔ جب جبرئیل حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے رمضان میں ملتے۔ اور اسی ترتیب پر وفات کے سال دو بار دورہ قرآن فرمایا۔ سب سے آخر میں (واتقوا یوما ترجعون فیہ الی اللہ) آیہ نازل ہوئی۔ جسے حضرت جبرئیل نے آیت ربا اور آیت دین کے درمیان رکھنے کو بتایا۔

جو لوگ ترتیب سُوَر کو اجتہادی بتاتے ہیں ان کا عظیم استدلال یہ ہے کہ اگر ترتیب سُوَر اجتہادی نہ ہوتی تو مصاحف سلف میں اختلاف نہ ہوتا۔

مگر مصاحف سلف قرآن کے زمانۂ نزول کے ۔ اور آخری دورۂ قرآن سے پہلے کے ہیں ۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں قرآن کی ترتیب آخری دورہ قرآن کے موافق رکھی گئی۔ جو اس بارے میں اصل اور مرجع ومعتمد ہے۔ پھر اسی ترتیب پر صحابۂ کرام کا اجماع ہوگیا۔ لہٰذا اس سے پہلے کا اختلاف اس ترتیب کے اجتہادی ہونے کی دلیل نہیں بن سکتا۔ اور اس اختلاف کی بنیاد پر عہد عثمانی کی تدوین کے توقیفی ہونے کا انکار درست نہیں۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں۔

الاصح ان ترتیب السور توقیفی ایضا وان کانت مصاحفهم مختلفة قبل العرضة الاخیرة التی علیها مدار جمع عثمان،
(مرقات ج۲ ص۶۳۳)

صحیح تر یہی ہے کہ سورتوں کی بھی ترتیب توقیفی ہے۔ اگرچہ اُن کے مصاحف اس آخری دورۂ قرآن سے مختلف تھے۔ جس پر تدوین عثمانی کا دار و مدار ہے۔

اور حضرت علی کا مصحف تو محض اس لئے تھا کہ انہوں نے ترتیب قرارت کے مطابق اسے لکھا ہی نہ تھا۔ بلکہ اسے ترتیب نزول کے مطابق جمع کیا تھا تاکہ یہ پتہ چل سکے کہ کون سی سورہ پہلے اور کونسی بعد میں نازل ہوئی۔ تو یہ ایک علمی ترتیب ہوئی۔ واقعۃً اگر وہ ہوتا تو اس سے ایک بڑا علم حاصل ہوتا۔ اور ناسخ و منسوخ کی معرفت میں وہ کارآمد ہوتا۔ پھر مصحف عثمانی خود حضرت علی کا تائید یافتہ ہے۔ صحابہ کرام کے ساتھ وہ بھی شریک اجماع ہیں۔

علامہ قسطلانی تحریر فرماتے ہیں کہ ترتیب سُوَر کے اجتہادی اور توقیفی ہونے کے بارے میں علماء کا اختلاف لفظی ہے۔ معنیً دونوں کا مآل ایک ہی ہے۔

لان القائل بالاول یقول انه رمز الیهم ذلك لعلمهم باسباب نزوله ومواقع كلماته ولذلك قال الامام مالك

اس لئے کہ اجتہادی کے قائل بھی یہی کہتے ہیں کہ ترتیب کا معاملہ صحابہ کے سپرد کر دیا گیا اس لئے کہ وہ قرآن کے اسباب نزول اور اس کے کلمات کے مواقع سے

وانما الفوا القرآن علی ما کانوا یسمعونہ من النبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم۔
(ارشاد الساری ج۷ ص۳۶۳)

اچھی طرح واقف تھے۔ جب ہی تو امام مالک نے فرمایا۔ کہ صحابہ نے قرآن کی تدوین اسی طرح کی ہے جس طرح وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے سنا کرتے تھے۔

حالانکہ امام مالک ترتیب سُوَر کے اجتہادی ہونے کے قائل ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اختلاف محض لفظی ہے کہ توقیفی کے قائلین یہ بتاتے ہیں کہ صحابہ نے سورتوں کی ترتیب "حکم رسول" کے مطابق رکھی ہے۔ اور اجتہادی کے قائلین یہ بتاتے ہیں کہ اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا حکم صریح نہ تھا بلکہ سورتوں کی ترتیب کا معاملہ صحابہ پر چھوڑ دیا گیا تھا اس لئے کہ صحابہ خود جانتے تھے کہ ہر سورہ اور قرآن کے ہر کلمہ کا مقام کہاں ہے۔ کیونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی قرأت سن چکے تھے۔ چنانچہ اسی کے مطابق انہوں نے سورتوں کی ترتیب و تدوین رکھی۔ تو نتیجہ یہی نکلا کہ ترتیب سُوَر بہر حال محض اجتہادی نہیں بلکہ "حکم رسول" یا "قرارت رسول" علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مطابق ہے۔

حضرت عثمان کا لقب جامع قرآن

حضرت عثمان ذو النورین رضی اللہ تعالی عنہ کو "جامع قرآن" کہا جاتا ہے۔ بعض بزرگوں نے فرمایا وہ جامع قرآن نہیں۔ مگر تفصیلات جاننے والا بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ ایسا بھی نہیں کہ جمع قرآن میں ان کا کوئی دخل ہی نہ ہو۔ جمع قرآن کے سلسلے میں ان کا بھی نمایاں کردار ہے۔ لہٰذا بالکلیہ یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ وہ سرے سے جامع قرآن ہی نہیں۔ جب خلق خدا قرن اول ہی

سے ایک حقیقت کی بنیاد پر انہیں ،، جامع قرآن کے لقب سے یاد کرتی آئی ہے تو سب کو خطاکار ٹھہرانا بھی مناسب نہیں حضرت ذوالنورین بھی بلاشبہ اس لقب کے مستحق ہیں ، لہٰذا انہیں اس لقب سے یاد کرنا صحیح ہے۔

اعلیحضرت امام احمد رضا قادری بریلوی علیہ الرحمہ کا اس سلسلے میں ایک رسالہ ہے جمع القرآن وبم عزوہ لعثمان ۔ اس میں فرماتے ہیں۔

،،اصل جمع قرآن بحکم رب العزت، حسب ارشاد حضور پر نور سید الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہو لیا تھا۔ سب سُوَر کا یکجا کرنا باقی تھا۔ جو امیر المومنین صدیق اکبر نے بمشورۂ امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کیا۔ پھر اسی جمع فرمودہ صدیق کی نقلوں سے مصاحف بنا کر امیر المومنین عثمان نے بمشورہ مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما بلاد اسلام میں شائع کئے۔ اور تمام امت کو اصل لہجہ قریش پر مجتمع ہونے کی ہدایت فرمائی۔ اسی وجہ سے وہ جناب ،،جامع القرآن،، کہلائے۔ ورنہ حقیقۃً جامع القرآن رب العزۃ تعالیٰ شانہٗ ہے۔ کما قال عزّ من قائل ؛ ان علینا جمعہ وقرآنہ (بے شک ہمارے ذمہ ہے اس کا جمع کرنا اور پڑھنا)۔ اور بنظر ظاہر حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ایک جگہ اجتماع کے لحاظ سے سب میں پہلے جامع القرآن حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

اسی رسالہ میں دوسری جگہ لکھتے ہیں۔

سُوَر قرآنیہ اگرچہ متفرق مواقع سے ایک وعا (ظرف) میں مجتمع ہو گئی تھیں۔ اور وہ مجموعہ صدیق پھر فاروق پھر ام المؤمنین حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے پاس تھا۔ مگر ہنوز تین کام باقی تھے۔

(۱) اُن مجموع (جمع کردہ) صحیفوں کا ایک ،،مصحف واحد،، میں نقل ہونا۔

(۲) اس مصحف کے نسخے معظم بلاد اسلام، مملکت اسلامیہ کے عظیم عظیم

قسمتوں میں تقسیم ہونا۔

(۳) رخصت سابقہ کی بنا ء پر جو بعض اختلافاتِ لہجہ کے آثار، کتابت قرآن عظیم میں متفرق لوگوں کے پاس تھے۔ اور وہ قرآن عظیم کے حقیقی، اصلی، مُنزّل من اللہ، ثابت مستقر، غیر منسوخ، محفوظ لہجے سے جُدا تھے، دفعِ فتنہ کے لئے اِن کا محو ہونا۔

یہ تینوں کام حفظ، حافظ حقیقی، جامع ازلی جل جلالہ نے اپنے تیسرے بندے امیرالمومنین۔ جامع القرآن۔ ذی النورین عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لیا۔۔ اور قرآن عظیم کا جمع کرنا حسب وعدۂ الٰہیہ تام و کامل ہوا۔ اس لئے اس جناب کو "جامع القرآن" کہتے ہیں۔

اعراب قرآن

خطِ عربی میں پہلے حرکات، سکون، تشدید اور نقطوں کا وجود نہ تھا۔ اس لئے قرآن میں بھی اعراب اور نقطے نہ تھے۔ تعلمون۔ یعلمون فتح۔ فتح سمُر۔ شمرّ سب کی شکلیں یکساں ہوتیں۔ مگر یہ عرب کی قدرت زبان اور ان کے فہم کلام کا کرشمہ تھا۔ کہ وہ ان سب کے بغیر اصلی حرف وحرکت کی تعیین کر لیتے، اور صحیح پڑھتے، مصحف عثمانی کی تدوین کے بعد بھی قریباً پچاس سال تک لوگ اسی طرح پڑھتے رہے۔ جب مملکت اسلامیہ کے حدود وسیع ہوئے اور عرب و عجم کا اختلاط ہوا تو اکثر عجم اور بعض عرب سے بھی قرارت میں بہت سی غلطیاں ہونے لگیں۔ جس کے پیش نظر حجاج بن یوسف نے حکم دیا کہ ہمشکل حروف میں امتیاز کرنے کے لئے علامات مقرر کی جائیں چنانچہ حضرت نصر بن عاصم لیثی نے نقطے ایجاد کئے۔ جس سے ہم شکل حروف میں اشتباہ جاتا رہا۔ سب سے پہلے باء اور تاء پر نقطے لگائے گئے جسے دیکھ کر لوگ خوش ہوئے اور کہا اس میں کوئی حرج نہیں یہ نقطے تو حروف کے لئے

نور اور رونق ہیں۔ انہوں نے اس وقت اختتام آیت کی علامت بھی اولاً نقطے ہی سے مقرر کی۔ پھر موجودہ علامات ایجاد کیں۔

اعراب کی سب سے پہلے ایجاد کرنے والے ابوالاسود دئلی تابعی بصری ہیں۔ جنہوں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے طریقہ آغاز پر علم نحو کی ایجاد و تکمیل کی۔ انہوں نے ایک شخص کو ان اللہ بریٔ من المشرکین ورسولہ (بکسرۂ لام) پڑھتے سنا (جس کا معنی یہ ہو جاتا ہے کہ بے شک اللہ مشرکوں سے بری ہے اور اپنے رسول سے) یہ غلطی بہت بڑی تھی انہوں نے فرمایا "معاذ وجہ اللہ ان یبریٔ من رسولہ" (خدا کی پناہ اس سے کہ وہ اپنے رسول سے بری ہو) انہیں اعراب کی ضرورت کا شدت سے احساس ہوا۔ جس کے بعد انہوں نے اعراب وضع کیا۔ مگر اس وقت زبر۔ زیر۔ پیش وغیرہ کی یہ شکلیں نہ تھیں جو آج ہیں۔ انہوں نے نقطوں ہی سے اعراب کا کام لیا۔

فرق یہ تھا کہ اعرابی نقطوں کے لئے اس رنگ کی روشنائی استعمال نہ ہوتی جس رنگ سے قرآن لکھا ہوتا۔ بلکہ اس کے لئے مخالف رنگ کی روشنائی استعمال کرتے زبر کے لئے حرف کے اوپر ایک نقطہ، زیر کے لئے حرف کے نیچے ایک نقطہ ضمہ کے لئے حرف کے اندر ایک نقطہ، اور تشدید کے لئے دو نقطے مقرر کئے۔

پھر خلیل بن احمد فراہیدی نے تشدید، مد، ہمزہ۔ جزم۔ وصل اور حرکات کی علامتیں ایجاد کیں اور کسرہ، فتحہ، ضمہ، (زیر، زبر، پیش) کی وہ صورتیں وضع کیں جو آج ہیں۔

جب اعراب اور نقطوں کے بعد بھی لوگوں نے قرأت میں غلطیاں دیکھیں تو اس کے حل پر بھی غور کیا۔ مگر سوائے اس کے کوئی حل نظر نہ آیا کہ لوگ قراء علماء اور حفاظ سے زبانی طور پر اصلاح اور تعلیم و تلقین حاصل کریں۔

پھر علماء امت نے علم حروف، علم اعراب، فن تجوید، اور علم قرأت مختلفہ میں باقاعدہ کتابیں لکھیں تمام امور کی توضیح و تنقیح کی اور مشکلات کا ازالہ فرما دیا۔

قرآن الگ الگ سورتوں میں تو شروع ہی سے منقسم تھا۔ ایک حدیث گزری جس سے معلوم ہوا کہ سات منزلوں کی تعیین و تقسیم بھی عہد رسالت ہی میں ہو چکی تھی۔ پاروں کی تقسیم حجاج ہی کے زمانے میں ہوئی اور مصحف میں منزلوں کے نشانات بھی اسی نے حسن اور یحیٰ بن یعمر سے لگوائے۔ دس آیات کے اختتام پر ایک علامت (ے) لگی ہوتی ہے۔ اس کی ایجاد مامون عباسی کے زمانے میں ہوئی۔ رکوع کی علامت بھی اسی زمانے میں مقرر ہوئی۔ اس طرح کہ نماز تراویح میں جتنی مقدار پڑھ کر حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ رکوع کیا کرتے اس کے اختتام پر کنارے یہ علامت (ع) لگا دی گئی۔

(تفسیر روح البیان از علامہ اسمٰعیل حقی م ۱۱۳۷ھ ج ۹ ص ۹۹ آخر سورہ حجرات مطبع عثمانیہ استنبول ۱۹۲۶ء۔ تفسیر نعیمی۔ از مفتی احمد یار خاں صاحب نعیمی علیہ الرحمہ م ۱۳۹۱ھ۔ مقدمہ۔)

قرآن کی سورتوں آیتوں اور کلمات و حروف کی تعداد

تمام معتبر لوگوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ قرآن میں ایک سو چودہ ۱۱۴ سورتیں ہیں۔ آیتوں کے بارے میں ابو عمرو دانی ارشاد فرماتے ہیں کہ چھ ہزار آیات تو بالاجماع سب کہتے ہیں۔ زائد کی تعیین میں اختلاف ہے ابن الضریس نے سید المفسرین حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی ہے کہ قرآن میں

چھ ہزار چھ سو سولہ [۶۶۱۶] آیتیں ہیں اور تین لاکھ تیئیس ہزار چھ سو اکہتر [۳۲۳۶۷۱] حروف ہیں۔ ایک جماعت نے کلمات قرآن ستہتر ہزار نو سو چونتیس [۷۷۹۳۴] شمار کئے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(اتقان ج ۱ نوع ۱۹ ص ۶۹ و ۷۲۔ مفتاح السعادہ ومصباح السیادہ فی موضوعات العلوم۔ احمد بن مصطفےٰ (طاشکبری زادہ۔ ج ۲ ص ۳۹۴ تا ۳۹۶) [۱]

---

[۱] اعدادِ مندرجات کا فرق شمار کرنے والوں کے شمار میں اختلاف کی وجہ سے ہے۔ ص ۳۲۷ پر ایک نقشہ دیا گیا ہے وہ بھی صرف ایک شمار کے تحت ہے۔ ۱۲

قرآن میں

الف	۴۸,۸۷۲	ط	۱,۲۷۴	نقطے	۱۰۵,۶۸۴
ب	۱۱,۴۲۸	ظ	۸۴۲	زبر	۵۳,۲۴۳
ت	۱۰,۱۹۹	ع	۹,۲۲۰	زیر	۳۹,۵۸۲
ث	۱۰,۲۷۷	غ	۲,۲۰۸	پیش	۸,۸۰۴
ج	۳,۲۷۳	ف	۸,۴۹۹	مد	۱,۷۷۱
ح	۲,۹۹۳	ق	۶,۸۱۳	تشدید	۱,۲۵۳
خ	۱,۴۱۶	ک	۹۵۰۰	کلمات	۷۷,۴۳۶
د	۵,۶۴۲	ل	۳,۴۲۳	سورتیں	۱۱۴
ذ	۴,۶۹۹	م	۲۶,۱۳۵	رکوعات	۵۴۰
ر	۱۱,۷۹۹	ن	۲۶,۵۶۰	آیاتِ سجدہ	۱۴
ز	۱,۵۹۰	و	۲۵,۵۳۶	اعشار کوفی	۴۲۳
س	۵,۸۹۱	ہ	۱۹,۵۷۰	اعشار بصری	۶۲۳
ش	۲,۲۵۳	لا	۴,۷۲۰	اخماس کوفی	۸۴۷
ص	۲,۰۱۳	ی	۲۵,۹۱۹	اخماس بصری	۱,۲۴۶
ض	۱,۶۰۷	کل حروف	۳,۲۲۶۰۰	آیات عامہ	۶,۶۶۶

بستان العارفین از۔ فقیہ ابو اللیث سمرقندی (م ۳۷۳ھ) بحوالہ استاذ قرأت شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ علیہما الرحمہ

فاتحۃ الکتاب

سورۂ فاتحہ سے متعلق حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں یہ منقول ہے کہ وہ اسے مصحف میں نہ لکھتے۔ ابو عبید نے لبند صحیح ابن سیرین سے روایت کی ہے۔

قال کتب ابی بن کعب فی مصحفہ فاتحۃ الکتاب والمعوذتین، واللھم انا نستعینك واللھم ایاك نعبد وترکھن ابن مسعود وکتب عثمانؓ منھن فاتحۃ الکتاب والمعوذتین۔

ابن سیرین نے فرمایا ابی بن کعب نے اپنے مصحف میں فاتحۃ الکتاب معوذتین اللھم انا نستعینك اور اللھم ایاك نعبد لکھیں اور حضرت ابن مسعود نے یہ سب نہ لکھیں اور حضرت عثمان نے ان میں سے صرف فاتحۃ الکتاب اور معوذتین لکھیں۔

(اتقان ج ۱ ص۶۵ نوع ۱۹)

عبد بن حمید نے ابراہیم سے روایت کی۔

قال کان عبد اللہ لایکتب فاتحۃ الکتاب فی المصحف و قال لوکتبتھا لکتبت فی اول کل شئی (در منشور ج ۱ ص ۱)

ابراہیم نے فرمایا عبد اللہ بن مسعود فاتحۃ الکتاب مصحف میں نہ لکھتے اور فرماتے اگر میں اسے لکھتا تو بالکل شروع میں لکھتا۔

ان روایتوں سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فاتحۃ الکتاب اپنے مصحف میں نہ لکھتے۔ کسی روایت سے یہ ثابت نہیں کہ انہیں قرآنیت فاتحہ میں کوئی شک رہا ہو۔ نہ ہی یہ کسی قابل ذکر شخصیت کا قول ہے۔ معوذتین کے بارے میں تو بعض حضرات اس کے قائل ہیں کہ حضرت ابن مسعود کو ان کی قرآنیت سے انکار تھا لیکن سورہ فاتحہ کے بارے میں وہ بھی یہی مانتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بلا شبہ قرآنیت فاتحہ کے قائل تھے۔ مثلاً ابن قتیبہ مشکل القرآن میں رقم طراز ہیں (واضح رہے کہ ابن قتیبہ معوذتین کے بارے میں حضرت ابن مسعود کی طرف انکار قرآنیت کی نسبت صحیح ماننے والوں میں سے ہیں)

وا ما اسقاطه الفاتحة من مصحفه فليس بظنه انها ليست من القرآن معاذ الله۔ ولكنه ذهب الى ان القرآن انما كتب وجمع بين اللوحين مخافة الشك والنسيان والزيادة والنقصان ورائ ان ذلك ما مون فى سورة الحمد لقصرها و وجوب تعلمها على	حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اپنے مصحف میں سورہ فاتحہ نہ لکھنا اس گمان کی بنیاد پر نہیں کہ معاذ اللہ وہ قرآن نہیں بلکہ ان کا خیال یہ تھا کہ قرآن کی کتابت و تدوین کی غرض یہ ہے کہ شک و نسیان اور کمی بیشی کا اندیشہ جاتا رہے اور سورہ فاتحہ کے بارے میں یہ اندیشہ نہیں کیونکہ یہ مختصر ہے اور ہر شخص پر اس کا سیکھنا واجب ہے۔ اس لئے اس کی قرآنیت میں کسی شبہ کی گنجائش

کل احد ۔ یا اس کے نسیان کا امکان نہیں

(اتقان ج ۱ ص ۸۲) لہذا اس کے لکھنے کی ضرورت بھی نہیں)

اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے قرآنیت فاتحہ میں کسی شک وشبہ کی گنجائش کیونکر ہو سکتی ہے ۔ جبکہ انہوں نے پوری زندگی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نماز میں اس کی قرأت سنی ۔ خود بھی قرأت کی ۔ خلفاء وصحابہ سے بھی سنی پھر قرأت صحیحہ متواترہ جو حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۔ سے منقول ہے اس میں بھی سورہ فاتحہ موجود ہے لہذا یہ امر بالکل قطعی اور یقینی ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک سورہ فاتحہ جزو قرآن ہے ۔ اس پر مزید کسی بحث کی ضرورت نہیں ۔ معوذتین کی بحث میں ضمنی طور پر سورہ فاتحہ کا ذکر جا بجا آرہا ہے ۔ مگر یہ قول فیصل پیش نظر رکھیں ۔

معوذتین کی قرآنیت

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک حدیث سے اس باب میں سخت خلجان پیدا ہو گیا ہے۔ مخالفین کو اعتراض کا موقع ملا۔ موافقین کو حیرت ہوئی اور ان کے سلسلے میں ظاہراً تین قول سامنے آگئے۔ یہ بحث بسط و تفصیل کا متقاضی ہے اس لئے تفصیل مناسب۔

امام احمد اور ابن حبان کی روایت میں ہے۔

عبداللہ بن مسعود کان لا یکتب المعوذتین فی المصحف

(فتح الباری ج ۸ ص ۵۲۶)

عبداللہ بن مسعود معوذتین (قل اعوذ برب الفلق۔ قل اعوذ برب الناس) اپنے مصحف میں نہ لکھتے۔

عبداللہ بن امام احمد نے زیادات مسند میں، اور ابن مردویہ نے بطریق اعمش۔ ابو اسحٰق سے، انہوں نے عبدالرحمٰن بن یزید نخعی سے روایت کی ہے۔

کان عبداللہ یحك المعوذتین من مصاحفہ ویقول انہما لیستا من کتاب اللہ۔

عبداللہ بن مسعود اپنے مصاحف سے معوذتین کھرچ دیتے اور کہتے یہ دونوں "کتاب اللہ" سے نہیں۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۵۲۶۔ ارشاد الساری ص ۳۵۲ ج ۷۔ عمدۃ القاری ص ۱۱ ج ۲۰)

علامہ جلال الدین سیوطی "الدر المنثور فی التفسیر بالماثور" میں مختلف

روایات وطرق کو یکجا کرتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

اخرج احمد والبزار والطبرانی وابن مردویہ" من طرق صحیحہ" عن ابن عباس وابن مسعود" انہ کان یحک المعوذتین من المصحف" ویقول" لا تخلطوا القرآن بما لیس منہ انہما لیسا من کتاب اللہ" انما امر النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان یتعوذ بہما" وکان ابن مسعود لا یقراء بہما۔ (در منثور ج ۶ ص ۴۱۶ مطبوعہ بیروت عکس طبع المطبعۃ المصینیۃ مصر ۱۳۱۴ھ)	امام احمد۔ بزار۔ طبرانی، ابن مردویہ نے بطرق صحیحہ حضرت ابن عباس وابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کی ہے کہ حضرت ابن مسعود معوذتین مصحف سے کھرچ دیتے اور فرماتے قرآن کو اس سے نہ ملاؤ جو قرآن سے نہیں۔ یہ دونوں کتاب اللہ سے نہیں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صرف ان سے تعوذ کا حکم دیتے۔ ابن مسعود ان دونوں کی قرارت نہ کرتے۔

ان طرق وروایات سے حضرت ابن مسعود کے بارے میں چند باتیں معلوم ہوئیں۔

(۱) حضرت ابن مسعود معوذتین کی مصحف سے مٹا دیتے۔

(۲) وہ فرماتے۔ قرآن کو اس سے مخلوط نہ کرو" جو قرآن سے نہیں"

(۳) معوذتین "کتاب اللہ" سے نہیں۔

(۴) نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے معوذتین سے صرف تعوذ کا حکم دیا ہے۔

(۵) حضرت ابن مسعود۔ معوذتین کی قرارت نہ کرتے۔

یہ بھی ذہن نشین رہے کہ خاتم الحفاظ علامہ جلال الدین سیوطی نے ان تمام طرق کے صرف "حسن" نہیں بلکہ صحیح ہونے کی صراحت فرمائی ہے۔

اقوال علماء

اس بحث میں علماء کے تین اقوال نظر آتے ہیں۔

(۱) حضرت ابن مسعود کی طرف قرآنیت معوذتین کے انکار کی نسبت صحیح ہے۔ مگر صرف ان کے انکار سے قرآنیت معوذتین کے تواتر و قطعیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

(۲) حضرت ابن مسعود کی طرف فاتحہ و معوذتین کے انکار قرآنیت کی نسبت بالکل غلط۔ باطل اور نامقبول ہے۔

(۳) روایت انکار صحیح ہے مگر اُن میں انکار قرآنیت کا ذکر نہیں۔ صرف اتنا ہے کہ وہ مصحف میں انہیں لکھنے سے انکار کرتے تھے۔

قول اوّل

علامہ جلال الدین سیوطی اتقان میں ناقل ہیں۔

وقال ابن قتیبة فی مشکل القرآن ظن ابن مسعود ان المعوذتین لیستا من القرآن لانه رأی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یعوذ بهما الحسن والحسین فاقام علی ظنه ولا نقول انه اصاب فی ذلك واخطأ المهاجرون والانصار۔

(اتقان ج ۱ ص ۸۲)

ابن قتیبہ۔ مشکل القرآن میں لکھتے ہیں۔ حضرت ابن مسعود نے گمان کیا کہ معوذتین قرآن سے نہیں۔ اس لئے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا کہ وہ حضرات حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو معوذتین پڑھ کر دم کیا کرتے۔ تو وہ اپنے ظن پر قائم رہے۔ اور ہم یہ نہیں کہتے کہ وہ اس بارے میں صحیح خیال پر ہیں اور مہاجرین و انصار غلطی پر۔

اس قول پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ جب حضرت ابن مسعود معوذتین کو قرآن نہیں مانتے تو قرآنیت معوذتین اجماعی و یقینی نہ رہی۔

علامہ جلال الدین سیوطی اسکا جواب ذکر فرماتے ہیں۔

قال البزار لم یتابع ابن مسعود احد من الصحابۃ وقد صح عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انہ قرأ بھما فی الصلوٰۃ واثبتتا فی المصحف (در منثور ص۴۱۶ ج۶)

اس جواب کا حاصل یہ ہے کہ۔

(۱) حضرت ابن مسعود اپنی اس رائے میں منفرد ہیں۔ بزار نے مسند میں بیان فرمایا کہ ایک صحابی نے بھی حضرت ابن مسعود کی یہ رائے نہ مانی۔

(۲) نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بصحت ثابت ہے کہ انہوں نے نماز میں معوذتین کی قرأت فرمائی۔ ظاہر ہے کہ نماز میں قرأت قرآن ہی کی ہو سکتی ہے غیر قرآن کی نہیں۔ لہٰذا جب سرکار سے قرآنیت معوذتین ثابت تو حضرت ابن مسعود کے انکار کا کیا اثر؟۔

(۳) یہ دونوں سورتیں مصحف عثمانی میں ثبت کی گئیں۔ مصحف میں وہی چیز لکھی گئی ہے جس کا قرآن غیر منسوخ ہونا ثابت ہے۔ اس مصحف پر اجماع صحابہ قائم ہے۔ لہٰذا اس اجماعی مصحف میں کتابت معوذتین سے ان کی قرآنیت اجماعی ویقینی ہو گئی۔ اور اس مصحف کے بالمقابل تنہا حضرت ابن مسعود کا قول حجت نہیں۔

معوذتین کی قرآنیت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ اس بارے میں علامہ جلال الدین سیوطی کی ذکر کردہ احادیث سے ہم یہاں صرف وہ حدیثیں نقل کرتے ہیں جن سے "صراحۃً" قرآنیت معوذتین کا ثبوت فراہم ہوتا ہے۔

(۱) امام احمد اور ابن ضریس نے بسند صحیح حضرت ابوالعلاء یزید بن عبداللہ

بن شخیر سے روایت کی۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص (صحابی) نے کہا ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے۔ اور لوگ باری باری سوار ہوتے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اور میرے اترنے کی باری آئی تو سرکار مجھ سے آملے۔ میرے کاندھے پر مار کر فرمایا۔ قل اعوذ برب الفلق۔ میں نے کہا اعوذ برب الفلق سرکار نے اسے پڑھا اور ان کے ساتھ میں نے بھی پڑھا۔ پھر فرمایا قل اعوذ برب الناس۔ سرکار نے اسے بھی پڑھا اور ان کے ساتھ میں نے پڑھا۔ فرمایا۔

اذا انت صلیت فاقرا بهما۔	جب تم نماز پڑھو تو ان دونوں کی قرأت کرو۔

(۲) مسلم، ترمذی، نسائی، ابن الضریس، ابن الانباری، ابن مردویہ نے عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

انزلت علیّ آیات لم ار مثلهن قط قل اعوذ برب الفلق، و قل اعوذ برب الناس۔	مجھ پر ایسی آیتیں نازل ہوئیں جن کی مثل میں نے کبھی نہ دیکھیں قل اعوذ برب الفلق۔ قل اعوذ برب الناس۔

(۳) ابن ضریس، ابن الانباری، حاکم، (بافادہ تصحیح) ابن مردویہ اور بیہقی (فی الشعب) نے عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔ انہوں نے فرمایا۔ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ جحفہ اور ابوا کے درمیان چل رہا تھا کہ ہم پر آندھی اور سخت تاریکی نے چھا لیا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اعوذ برب الفلق اور اعوذ برب الناس

سے تعوذ کرنے لگے اور فرمانے لگے۔ اے عقبہ! تم بھی ان سے تعوذ کرو کہ کوئی تعوذ کرنے والا ان کے مثل سے تعوذ نہ کر پائے گا۔ فرماتے ہیں۔

وسمعته یؤمنا بهما فی الصلوٰة۔	میں نے سرکار کو نماز میں ان ہی دونوں سورتوں سے امامت کرتے سنا۔

(۴) ابن مردویہ نے حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔ انہوں نے فرمایا کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

یاعقبة اقرأ بقل اعوذ برب الفلق وقل اعوذ برب الناس فانك لن تقرأ ابلغ منهما۔	اے عقبہ، قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس کی (نماز) میں قرأت کرو کہ تم ان دونوں سے بلیغ تر کی قرأت ہرگز نہ کرو گے۔

سرکار نے قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس کی قرأت کا حکم دیا۔ اگر یہ بعینہٖ قرآن کی سورتیں نہ ہوتیں تو بغیر قل کے اعوذ برب الفلق اعوذ برب الناس پڑھنے کا حکم دیتے علاوہ ازیں اقرأبہ عموماً قراۃ نماز کے لئے استعمال ہوتا ہے ورنہ اقراہ کہا جاتا ہے۔

(۵) ابن مردویہ نے ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی۔ انہوں نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

من احب السور الی الله قل اعوذ برب الفلق وقل اعوذ برب الناس	اللہ کے نزدیک محبوب ترین سورتوں میں سے قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس ہیں۔

(۶) ابن مردویہ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت

کی انہوں نے فرمایا۔ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھا۔

فصلی الغداۃ فقرأ فیھما بالمعوذتین ثم قال یا معاذ ھل سمعت قلت نعم۔ قال ما قراء الناس بمثلھن۔

تو سرکار نے نماز صبح پڑھی اور اس میں معوذتین کی قراءت فرمائی۔ پھر فرمایا۔ اے معاذ تم نے سنا؟ میں نے عرض کیا جی ہاں! فرمایا اس کے مثل سے لوگوں نے قراءت نہ کی۔

(۷) ابن ابی شیبہ، اور ابن الضریس نے عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔ وہ فرماتے ہیں۔ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھا جب فجر طلوع ہوئی اذان و اقامت کہی پھر مجھے اپنے دائیں کھڑا کیا پھر معوذتین کی قراءت کی جب فارغ ہوئے فرمایا تم نے کیسا دیکھا۔ میں نے عرض کیا میں نے دیکھا یا رسول اللہ۔ فرمایا تو ان دونوں کو پڑھ لیا کرو جب سوؤ اور جب اٹھو۔

اسی واقعہ اور اسی معنی کے قریب حاکم نے بھی حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

(۸) ابن الانباری نے حضرت قتادہ سے روایت کی وہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا۔

اقراء بقل اعوذ برب الفلق وقل اعوذ برب الناس فانھما من احب القرآن الی اللہ۔

قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس کی قراءت کرو کہ یہ دونوں اللہ کے نزدیک محبوب ترین قرآن سے ہیں

(۹) ابن مردویہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی انہوں

نے بیان کیا کہ نجاشی نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایک بھوری مادہ خچر ہدیہ کیا اس میں ذرا سرکشی تھی۔ سرکار نے زبیر سے فرمایا اس پر سوار ہو کر اسے رام کرو۔ حضرت زبیر ڈرے سرکار نے فرمایا اس پر سوار ہو ؤ۔ اور قرآن پڑھو عرض کیا کیا پڑھوں؟ فرمایا قل اعوذ برب الفلق۔ قسم اس ذات کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے ماقمت تصلی بمثلها۔ اس کے مثل کے ساتھ نماز نہ پڑھوگے۔

(۱۰) امام احمد نے عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

یا عقبة بن عامر الا اعلمك خیر ثلاث سور انزلت فی التوراة والانجیل والزبور والفرقان العظیم قلت بلی جعلنی الله فداءك قال فاقرأنی قل هو الله احد وقل اعوذ برب الفلق وقل اعوذ برب الناس ثم قال یا عقبة لا تنساهن و لا تبت لیلة حتی تقرأهن ۔	اے عقبہ بن عامر کیا تمہیں توریت انجیل، زبور اور فرقان عظیم میں نازل شدہ تین سورتوں میں سب سے بہتر نہ سکھا دوں۔ میں نے عرض کیا کیوں نہیں مجھے اللہ آپ پر قربان کرے۔ بیان کیا کہ پھر سرکار نے مجھے قل ہو اللہ احد، قل اعوذ برب الفلق، اور قل اعوذ برب الناس پڑھائیں۔ پھر فرمایا عقبہ انہیں نہ بھولنا اور انہیں پڑھے بغیر کوئی رات بسر نہ کرنا۔

ان احادیث سے معوذتین کی قرآنیت اس طرح ثابت ہوتی ہے کہ کہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صراحۃً انہیں جزو قرآن بتایا۔ کہیں نماز

یں ان کی قرأت کا حکم دیا۔ نماز میں قرآءت قرآن ہی کی ہوتی ہے۔ کہیں انہیں سورہ اور آیت فرمایا۔ یہ اطلاق جزو قرآن ہی کے لئے ہوتا ہے۔

حضرت ابن مسعود کی طرف نسبت انکار صحیح مان لینے پر ایک اعتراض لازم آئے گا۔ امام فخرالدین رازی نے عقدۂ لاینحل فرمایا ہے۔ وہ یہ کہ اگر ہم یہ کہیں کہ معوذتین کا قرآن ہونا حضرت ابن مسعود کے زمانے میں متواتر تھا تو اس کے منکر کی تکفیر لازم آئے گی۔ اور اگر یہ کہیں کہ معوذتین کی قرآنیت اس زمانے میں متواتر نہ تھی تو بعض قرآن کا متواتر ہونا لازم آئے گا۔ مگر اس کا جواب دیا جا چکا ہے کہ معوذتین حضرت ابن مسعود کے زمانے میں متواتر تھیں مگر ان کے نزدیک متواتر نہ تھیں اور اس وقت تک ان کی قرآنیت پر چونکہ اجماع صحابہ قائم نہ ہوا تھا اس لئے یہ متواتر ضروریات دین سے قرار پایا تھا۔ لہذا حضرت ابن مسعود کی تکفیر نہ لازم آئے گی۔ ہاں اگر آج کوئی شخص ان کی قرآنیت سے انکار کرے تو اس کی تکفیر کی جائے گی۔

علامہ ابن حجر ناقل ہیں۔

وقد قال ابن الصباغ فی الکلام علی مانعی الزکوٰۃ وانما قاتلهم ابوبکر علی منع الزکوٰۃ ولم یقل انهم کفروا بذلك وانما لم یکفروا لان الاجماع لم یكن استقر قال ونحن

مانعین زکوٰۃ پر کلام کرتے ہوئے علامہ ابن الصباغ نے فرمایا۔ حضرت ابوبکر نے مانعین سے منع زکوٰۃ پر قتال تو کیا مگر یہ نہ کہا کہ وہ اس کی وجہ سے کافر ہو گئے۔ مانعین و منکرین زکوٰۃ کی تکفیر اس لئے نہ کی گئی کہ اس وقت تک باوجود فرضیت زکوٰۃ کی قطعیت کے اس کی فرضیت پر

الاٰن نکفر من جحدھا قال وکذلک مانقل عن ابن مسعود فی المعوذتین یعنی انہ لم یثبت عندہ القطع بذلک ثم حصل الاتفاق بعد ذلک ۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۵۲۶)

اجماع قائم نہ ہوا تھا۔ ہاں آج ہم ہر اس شخص کو کافر کہیں گے جو زکوٰۃ کا انکار کرے۔ ابن صباغ نے فرمایا اسی طرح وہ جو حضرت ابن مسعود سے معوذتین کے بارے میں منقول ہے۔ یعنی ان کے نزدیک اس کی قطعیت حاصل نہ تھی۔ پھر بعد میں اجماع قائم ہوا۔

یہی جواب علامہ ابن حجر ہیثمی (۸۵۱ھ/۹۲۳ھ) نے الاعلام بقواطع الاسلام (ج ۲ ص ۶۲) میں ذکر کیا ہے بہرحال انکار قرآنیت کی نسبت صحیح ماننے پر جو اعتراض قوی لازم آرہا ہے اس کا معقول و محقق جواب موجود ہے۔ پھر بھی یہ قول اول راقم کے نزدیک محل نظر ہے۔ آخر بحث میں اس پر کلام ہو گا۔ مگر یہاں اس قول کو بالاستیعاب ذکر کرنے کا مقصد یہ واضح کرنا ہے کہ حضرت ابن مسعود کی طرف انکار قرآنیت کی نسبت صحیح مان لینے کے بعد بھی قرآنیت معوذتین کے اجماعی اور متواتر ہونے میں کوئی فرق نہیں آتا۔ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کے انکار کو سند بنا کر قرآن میں نقص نمائی کی کوشش بہرحال ناکام ہے۔

مخالفین کا جواب تو اتنے ہی سے مکمل ہو جاتا ہے مگر موافقین کی تسکین اور اس بارے میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا موقف واضح کرنے کے لئے اگلی بحث ضروری ہے۔

قول ثانی

امام فخر الدین رازی فرماتے ہیں۔

نقل فی الکتب القدیمة ان ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کان ینکر کون المعوذتین من القرآن واعلم انہ ھذا فی غایة الصعوبة لانا ان قلنا ان النقل المتواتر کان حاصلا فی عصر الصحابة بکون سورة الفاتحة من القرآن فح کان ابن مسعود عالما بذلك فانکارہ یوجب الکفر او نقصان العقل وان قلنا ان النقل المتواتر فی ھذا المعنی ما کان حاصلا فی ذلك الزمان فھذا یقتضی ان یقال ان نقل القرآن لیس بمتواتر فی الاصل وذلك یخرج القرآن عن کونہ حجة

پرانی کتابوں میں منقول ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سورہ فاتحہ اور معوذتین کے قرآن ہونے سے انکار کرتے تھے یہ انتہائی مشکل مسئلہ ہے اس لئے کہ اگر ہم یہ کہتے ہیں کہ سورۃ فاتحہ کے جزو قرآن ہونے پر عہد صحابہ میں نقل متواتر حاصل تھی تو حضرت ابن مسعود اس سے باخبر ہوں گے۔ پھر ان کے انکار سے کفر یا کم عقلی لازم آتی ہے۔ اور اگر ہم یہ کہیں کہ اس بارے میں اس وقت نقل متواتر نہ تھی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ابتداء میں قرآن کی نقل، متواتر نہیں۔ جب تو قرآن یقینی حجت نہ رہ جائے گا اور زیادہ غالب گمان یہ ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سے اس مذہب کی نقل جھوٹی اور باطل نقل ہے

یقینیۃ والا غلب علی الظن	یہی ماننے سے یہ عقدہ حل ہو سکے
ان نقل ھذا المذھب	گا۔
عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ	ــــــــــــ
عنہ نقل کاذب باطل وبہ یحصل	ــــــــــــ
الخلاص عن ھذہ العقدۃ	ــــــــــــ
(مفاتیح الغیب تفسیر کبیر، ج ا ص ۲۱۸)	ــــــــــــ

ملا علی قاری علیہ الرحمہ شرح شفا میں ناقل ہیں۔

قال النووی فی شرح المہذب	علامہ نووی نے شرح مہذب
اجمع المسلمون علی ان المعوذتین	میں فرمایا کہ مسلمانوں کا اس بات
والفاتحۃ وسائر السور المکتوبۃ	پر "اجماع" ہے کہ معوذتین، فاتحہ
فی المصحف قرآن وان من	اور مصحف میں لکھی ہوئی تمام
جحد شیئا منہا کفر ومانقل	سورتیں قرآن ہیں اور جو ان میں
عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ	سے کسی کا منکر ہو کافر ہے اور حضرت
عنہ فی الفاتحۃ والمعوذتین	ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے
باطل لیس بصحیح قال ابن	فاتحہ اور معوذتین کے بارے میں
حزم فی اول کتابہ المحلّی	جو منقول ہے وہ باطل ہے صحیح
ھذا کذب علی ابن مسعود	نہیں۔ ابن حزم نے اپنی کتاب
رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔	محلّی کے شروع میں کہا کہ یہ ابن
(شرح شفا ج ۲ ص ۵۵۱)	مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر دروغ
ــــــــــــ	وافترا ہے۔

امام رازی نے فرمایا۔ اس مذہب کو حضرت ابن مسعود سے نقل کرنا

غلط ہے اور باطل ہے۔ امام نوذی نے فرمایا حضرت ابن مسعود سے فاتحہ اور معوذتین کے بارے میں جو نقل کیا گیا ہے باطل وغیر صحیح ہے" ان عبارتوں میں تین معانی کا احتمال ہے۔

(۱) وہ روایات جو آغاز بحث میں ذکر ہوئیں باطل وغیر صحیح ہیں

(۲) روایات مذکورہ باطل وغیر صحیح نہیں بلکہ وہ روایات باطل ہیں جن میں صراحۃً یہ ذکر ہے کہ حضرت ابن مسعود قرآنیت معوذتین کے منکر تھے۔

(۳) صدر بحث میں ذکر شدہ روایات کو پیش نظر رکھ کر حضرت ابن مسعود سے متعلق انکار قرآنیت کا جو مذہب نقل کیا گیا ہے یہ نقل مذہب باطل وکاذب ہے

(الف) اگر پہلا معنی ہی ان عبارتوں کی مراد ہے تو یقیناً یہ قابل قبول نہیں جیسا کہ علامہ ابن حجر نے فرمایا۔ اس لئے کہ روایات صحیح ہیں انہیں باطل قرار دینے کے لئے کوئی سند اور دلیل چاہیئے بلا دلیل روایات صحیحہ میں طعن کرنا کوئی علمی طریقہ نہیں ۔

(ب) اگر دوسرا معنی ان عبارتوں کا مقصود ہے تو یہ ضرور قابل قبول ہے مگر کہیں ان روایات کا ذکر بھی کرنا چاہیئے کہ وہ روایات جن میں صراحۃً یہ ذکر ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ قرآنیت معوذتین کے منکر تھے وہ یہ ہیں۔ اور یہی باطل وکاذب ہیں۔

(ج) اگر تیسرا معنی مراد ہے تو یہ بالکل بے غبار ہے۔ اس لئے کہ اس تقدیر پر مذکورۃ الصدر روایات میں ہرگز کوئی طعن نہیں۔ طعن صرف ان لوگوں پر ہے جو "مذہب انکار قرآنیت" کے ناقل ہیں۔ یا یہ کہا جائے کہ طعن صرف اس نقل مذہب پر ہے۔ ورنہ مذکورۃ الصدر روایات کو یہ حضرات "امام رازی وامام نوذی" بھی صحیح مان کر ان کا کوئی قابل قبول حل نکالتے ہیں ۔

اب سوال یہ ہے کہ عبارات مذکورہ میں کون سا معنی راجح اور قوی ہے۔
اس پر تھوڑی بحث قول ثالث کے بعد ملاحظہ کیجیے۔

قول ثالث

علامہ ابن حجر وغیرہ بیان کرتے ہیں۔

وقد تأول القاضي ابوبكر الباقلاني في كتاب الانتصار وتبعه عياض وغيره ما حكي ابن مسعود۔ فقال لم ينكر ابن مسعود كونهما من القرآن وانما انكر اثباتهما في المصحف فانه كان يرى ان لا يكتب في المصحف شيئا الا ان كان النبي صلى الله تعالى عليه وسلم اذن في كتابته فيه وكانه لم يبلغه الاذن في ذلك قال۔ فهذا تاويل منه وليس جحد الكونهما قرآنا۔

- - - - - - - -

- - - - - - - -

حضرت ابن مسعود سے نقل شدہ روایت کی قاضی ابوبکر باقلانی نے کتاب الانتصار میں تاویل کی ہے۔ اور قاضی عیاض وغیرہ (جلیل القدر علماء) نے بھی ان کا اتباع کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود نے معوذتین کے جزو قرآن ہونے کا انکار نہ کیا بلکہ انہیں مصحف کے اندر صرف کتابت معوذتین سے انکار تھا۔ اس لئے کہ وہ یہ رائے رکھتے تھے کہ مصحف میں بس وہی چیز لکھی جائے جسے مصحف میں لکھنے کی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اجازت دی ہے۔ گویا انھیں اس بارے میں حضور کی اجازت کا علم نہ ہوا۔ پس اس معنی کے پیش نظر انھیں قرآن میں معوذتین کے صرف لکھنے سے انکار تھا۔ ان کی قرآنیت سے انکار

نہ تھا۔

علامہ ابن حجر فرماتے ہیں۔ وھو تاویل حسن قاضی ابوبکر باقلانی کی یہ تاویل عمدہ تاویل ہے۔ مزید لکھتے ہیں۔

الا ان الروایۃ الصحیحۃ	مگر وہ صحیح روایت اس تاویل
التی ذکرتھا تدفع ذلك	کے برخلاف ہے۔ جو میں نے ذکر کی۔
حیث جاء فیھا	کیونکہ اس میں یہ آیا ہے کہ حضرت ابن
ویقول انھما لیسا من	مسعود کہتے تھے کہ یہ دونوں (معوذتین)
کتاب اللہ نعم	کتاب اللہ سے نہیں ہے۔ ہاں اگر
یمکن حمل لفظ کتاب	"کتاب اللہ" سے "مصحف" مراد لے لیا
اللہ علی المصحف فیتمشی التاویل المذکور	جائے تو تاویل مذکور چل سکتی ہے۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۵۲۶)

قول ثانی وثالث میں تطبیق

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل شدہ انکار میں ظاہراً یہ دو قول ہو گئے ایک سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابن مسعود کی طرف نسبت انکار باطل ومردود ہے۔ اور دوسرے کا خلاصہ یہ ہے کہ جب روایات صحیحہ سے انکار ثابت ہے تو روایات صحیحہ میں طعن بیجا ہے۔ نسبت انکار صحیح ہے مگر یہ انکار، انکار قرآنیت ہرگز نہ تھا بلکہ انکار کتابت تھا۔

قول ثانی کے بعد راقم نے یہ لکھا کہ مذکورہ عبارات ائمہ میں تین معانی کا احتمال ہے۔ انہیں پیش نظر رکھ کر آپ دیکھیں کہ جب قول ثانی کا پہلا معنی لیا جائے تو بلاشبہ یہ قول ثالث کے خلاف ہوگا۔ جس طرح کہ قول ثانی وثالث دونوں ہی قول اول کے معارض ہیں۔ لیکن اگر قول ثانی کا دوسرا یا تیسرا معنی لیا جائے تو یہ قول ثالث کے معارض ہرگز نہ ہوگا بلکہ دونوں ایک قول ہو جائیں گے۔ کیونکہ اس معنی پر اصحاب

قول ثانی نے بھی روایات صحیحہ (مذکورۃ الصدر) کو صحیح تسلیم کیا۔ اور یقیناً انہیں بھی ان کی وہی تاویل کرنی ہوگی جو اصحاب قول ثالث نے کی۔ اور ابطال و تغلیط کا تعلق دوسری روایات باطلہ سے ہوگا یا ان لوگوں سے، جو یہ نقل کرتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود کو قرآنیت معوذتین سے انکار تھا۔ اس تطبیق کی روشنی حضرت ملا علی قاری رحمتہ اللہ علیہ سے ملی۔ وہ علامہ نووی کا قول" انه کذب علیه"(ای ابن مسعود) اور اس کا رد نقل کر کے تحریر فرماتے ہیں۔

قلت یحمل قول النووی انه کذب علیه علی انکار اصل القرآنیة فیکون مقبولا لا مردودا وھو الظاھر۔

(مرقات ج ۱ ص ۵۳۳)

میں کہتا ہوں کہ علامہ نووی کی عبارت کا مطلب یہ ہے کہ حضرت ابن مسعود کی طرف اصل قرآنیت کے انکار کی نسبت غلط اور ان پر دروغ ہے جب علامہ نووی کے قول کا یہ معنی ہو گیا، تو ان کا قول مقبول ہوگا مردود نہیں ہے۔ اور یہی ظاہر ہے۔

یعنی حضرت ابن مسعود کی طرف انکار کتابت کی نسبت باطل و غلط نہیں بلکہ ان کی طرف انکار قرآنیت کا انتساب باطل و غلط اور ان پر دروغ ہے۔ اور یہی معنی علامہ نووی سے متوقع بھی ہے۔ ورنہ ایسے عظیم الشان عالم حدیث اور عارف اسانید سے یہ قطعاً بعید ہے کہ وہ روایات صحیحہ میں طعن کریں، اور انہیں باطل و غلط ٹھہرائیں۔

جب ملا علی قاری علیہ الرحمہ نے علامہ نووی کے ارشاد کا یہ مطلب بتایا ہے تو ابن حزم کی عبارت میں بھی یہ تاویل ہو سکتی ہے۔ اور امام فخر الدین رازی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کی عبارت سے تو اس کا واضح اشارہ ملتا ہے۔ اس لئے کہ اخیر میں ان

کے الفاظ یہ ہیں۔

والاغلب علی الظن ان نقل ھذا المذھب عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نقل کاذب	زیادہ غالب گمان یہ ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس مذہب کی نقل "جھوٹی نقل ہے۔

امام رازی نے یہاں انکارِ کتابت کی نسبت کا کوئی تذکرہ نہیں کیا ہے۔ بلکہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذہب انکارِ قرآنیت بتانے کو بالکل غلط اور جھوٹی نقل قرار دیا ہے۔

امام فخر الدین رازی کی ایک اور عبارت انکارِ کتابت کے اعتراف میں بالکل صریح ہے۔ اُسے پیش نظر رکھیں تو قول ثانی وثالث بلکہ خود امام رازی کی دونوں عبارتوں میں تطبیق زیادہ ضروری ہے ۔ اور واضح بھی ۔ فرماتے ہیں۔

وایضا فقد نقل عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ حذف المعوذتین وحذف الفاتحۃ عن القرآن۔ و یجب علینا احسان الظن بہ وان نقول انہ رجع عن ھذا المذھب۔	حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ وہ قرآن (یعنی مصحف) سے معوذتین اور سورۂ فاتحہ حذف کر دیتے۔ ہم پر واجب ہے کہ ہم ان کے بارے میں نیک گمان رکھیں اور یہ کہیں کہ انہوں نے اس مذہب سے رجوع کر لیا۔
(تفسیر کبیر ج۱ ص۲۱۳)	

حاصل یہ کہ قرآنیت معوذتین کے منکر تو کبھی نہ تھے ۔ مصحف میں لکھنے سے ابتداً انھیں انکار تھا لیکن جب مصحف عثمانی میں یہ سورتیں لکھی گئیں اور اس پر اجماع صحابہ قائم ہوا تو وہ مصحف میں لکھنے کے بھی قائل ہو گئے اور اپنے پہلے مذہب (انکارِ کتابت) سے رجوع کر لیا۔

جب قول ثانی کے تحت ذکر شدہ علامہ نووی وامام رازی وغیرہما کی عبارتوں میں ایک مناسب معنی کا احتمال قوی موجود ہے اور قرائن وشواہد بھی اس کی تائید کر رہے ہیں. تو پھر کیا وجہ ہے کہ ان عبارتوں کا خلافِ قرائن ایسا معنی لیا جائے جس پر یہ الزام عائد ہو کہ ان حضرات نے روایات صحیحہ میں طعن کیا. اور ان عبارتوں کی بنیاد پر قول اول وثالث کے علاوہ ایک اور قول نکالا جائے. مذکورہ معقول توجیہ کو کیوں نہ اختیار کیا جائے. جس سے مؤخر الذکر دونوں قولوں میں تطبیق بھی ہو جائے. اور اعتراضات بھی اٹھ جائیں. نہ حضرت ابن مسعود پر کسی سورہ کی قرآنیت سے انکار کا الزام عائد ہو. اور نہ ان علماء پر اسانید صحیحہ میں طعن اور روایات صحیحہ کے انکار کا اعتراض ہو۔

علامہ محب اللہ بہاری علیہ الرحمہ کی ایک عبارت سے بھی اس تطبیق کی تائید ہوتی ہے. مُسَلَّم الثُّبوت میں فرماتے ہیں۔

ومانقل عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ من انکار المعوذتین والفاتحۃ فلم یصح وانما صح خلو المصحف عنہما۔	حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے معوذتین اور فاتحہ کا جو انکار منقول ہے وہ صحیح نہیں البتہ ان کے مصحف کا ان سورتوں سے خالی ہونا صحیح ہے۔

اس عبارت سے بالکل واضح ہے کہ یہاں دو قسم کی نقلیں ہیں. ایک وہ جس میں انکار قرآنیت ذکر ہے وہ غلط ہے اور ایک وہ جس میں عدم کتابت کا ذکر ہے وہ صحیح ہے۔

بحر العلوم مولانا عبد العلی فرنگی محلی لکھنوی. فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت میں فرماتے ہیں۔

ومن اسند الانکار الیٰ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فلا یعبأ بسندہ عند معارضۃ ھذہ الاسانید الصحیحۃ بالاجماع والمتلقات بالقبول عند العلماء الکرام بل والامۃ کلھا کافۃ فظھر ان نسبۃ الانکار الیٰ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ باطل (ج ١ ص ٣١٥)

جس نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف انکار کی نسبت کی، اس کی سند کا کوئی اعتبار نہیں کیونکہ وہ ان سندوں کے معارض ہے جو بالاجماع صحیح ہیں۔ اور علمائے کرام بلکہ تمام امت کے نزدیک مقبول بھی۔ تو ظاہر ہو گیا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف نسبت انکار باطل ہے۔

ان تفصیلات سے روشن ہوا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ قرآنیت معوذتین کے منکر نہ تھے۔ صرف کتابت سے انہیں انکار تھا، پھر عہد عثمانی میں مصحف پر اجماع صحابہ قائم ہونے کے بعد انہوں نے اس سے بھی رجوع کر لیا۔

قول اوّل پر تنقید

"حضرت ابن مسعود کی طرف قرآنیت معوذتین کے انکار کی نسبت صحیح ہے" یہ قول تفصیلاً گرچہ اسے وہاں ہم نے محل نظر قرار دیا، اب یہاں پوری وضاحت کے ساتھ تحریر ہے کہ یہ قول سرے سے صحیح نہیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابتداءً معوذتین مصحف میں نہ لکھیں یہ تسلیم ہے، لیکن ایسا ہرگز نہیں کہ انہیں معوذتین کی قرآنیت سے انکار رہا ہو۔ اس دعوے پر حسب ذیل دلائل ہیں۔

(١) حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہر سال ماہ رمضان میں مسجد نبوی کے اندر باقتدار امام نماز تراویح ادا کرتے، امام نماز تراویح میں معوذتین کی قرارت کرتے مگر جب ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس پر کبھی انکار نہیں

کیا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ نسبت انکار غلط ہے۔

(فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت ج ۲ ص ۱۴-۲ از بحر العلوم علامہ عبد العلی فرنگی محلی مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ذی الحجہ ۱۲۹۵ھ جنوری ۱۸۷۸ء)

(۲) امام عاصم کی قرأت حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بتواتر منقول ہے اس میں معوذتین اور سورۂ فاتحہ شامل ہیں جس سے قطعی طور پر یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عقیدہ و قول یہی تھا کہ معوذتین قرآن ہیں۔

حضرت امام عاصم کی سند یہ ہے۔ عاصم۔ ابو عبد الرحمٰن عبد اللہ بن حبیب سلمی و ابو مریم زر بن حبیش اسدی و سعید بن عیاش شیبانی۔ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعنہم۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

(۳) (الف) امام حمزہ (امام عاصم کی طرح یہ بھی قراء سبعہ سے ہیں) کا سلسلۂ سند بھی حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے اس میں بھی معوذتین اور سورۂ فاتحہ ہیں۔ ان کی سند یہ ہے۔

حضرت حمزہ۔ اعمش۔ ابو محمد سلیمان بن مہران یحییٰ بن وثاب علقمہ و اسود و عبید بن نضلہ خزاعی۔ و زر بن حبیش و ابو عبد الرحمٰن سلمی۔ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

(ب) امام حمزہ کی ایک دوسری سند یہ ہے۔

حضرت حمزہ۔ ابو اسحٰق سبیعی و محمد عبد الرحمٰن بن ابی لیلیٰ و امام جعفر صادق۔ ابن قیس و زر بن حبیش و زید بن وہب و مسروق۔ منہال و دیگر حضرات۔ ابن مسعود و امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

(۴) امام کسائی کی سند بھی حضرت ابن مسعود تک پہونچتی ہے اس لئے

کہ امام کسائی نے امام حمزہ سے قرارت حاصل کی ہے۔ یوں ہی امام خلف (جو قرار عشرہ سے ہیں) کی سند حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتی ہے۔ اس لئے کہ انہوں نے سلیم سے اور سلیم نے امام حمزہ سے قرارت حاصل کی ہے۔

قرار عشرہ کی سندیں اجماعی اور امت کے درمیان قبول یافتہ ہیں۔ لہذا جب صحیح سندوں سے ثابت ہو گیا کہ امام عاصم، امام حمزہ، امام کسائی، امام خلف سب کی سندیں حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہونچتی ہیں، اور ان سب قرارتوں میں فاتحہ اور معوذتین جزء قرآن ہیں۔ تو بلاشبہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف انکار قرآنیت کا انتساب غلط اور باطل ہے۔

اس تفصیل سے ایک عقدہ یہ بھی حل ہو گیا کہ جس ترتیب پر آج قرارت قرآن ہو رہی ہے۔ یہ ترتیب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ اس لئے کہ قرار عشرہ نے (جن کی سندیں صحیح متواتر اور اجماعی ہیں) اپنی قرأتیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نقل کی ہیں اور اس ترتیب پر قرارت فرمائی ہے۔ اور اس بات کی صراحت کی ہے کہ ان کے شیوخ نے انھیں اسی طرح پڑھایا۔ اور شیوخ کے شیوخ نے شیوخ کو اسی طرح پڑھایا۔ یوں ہی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف قرارت شاذہ مثلاً متتابعات، کا انتساب صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ انہوں نے اسے بطور قرآن نقل نہ کیا۔ اگر وہ قرآن ہوتی تو ان قرارتوں میں (جن کا سلسلہ ہر اسناد حضرت ابن مسعود پر ختم ہوتا ہے) اس کی قرارت ہوتی۔ حضرت ابن مسعود نے اپنے مصحف میں متتابعات بطور تفسیر لکھا۔ اور راوی کو وہم ہوا کہ یہ ان

کے نزدیک قرآن ہے۔ یا پہلے قرآن تھا۔ پھر اس کی تلاوت منسوخ ہوگئی۔
(فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت ص ۱۴ا۳ و ۱۵ا۳ ج ۲)

(۵) طبرانی نے معجم اوسط میں بسند حسن حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لقد انزل علیّ اٰیات لم ینزل علی مثلهن، المعوذتین۔ (در منثور)

مجھ پر چند ایسی آیات نازل ہوئیں جیسی مجھ پر نازل نہ ہوئیں وہ معوذتین ہیں۔

اس حدیث میں بھی معوذتین کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آیات کہا۔ آیت کا اطلاق قرآن ہی کے لئے ہوتا ہے۔ دعاؤں کے لئے نہیں۔ لہٰذا جس طرح دیگر صحابہ کی روایات سے معوذتین کی قرآنیت کا ثبوت ملتا ہے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کردہ اس حدیث سے بھی معوذتین کا قرآن ہونا ثابت ہوتا ہے۔ پھر یہ اصول مسلّمہ سے ہے کہ صحابی کا اپنی روایت کردہ حدیث پر اعتقاد ضروری ہے بشرطیکہ سرکار سے اس کا کوئی ناسخ اس کے نزدیک ثابت نہ ہو۔ اس اصول کے تحت ماننا ہوگا۔ کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ قرآنیت معوذتین کے قائل ضرور تھے۔

روایات انکار کی تنقیح

البتہ یہاں یہ سوال ہوگا کہ ان صحیح روایات کا کیا جواب ہے۔ جن سے قول اول والوں نے انکار قرآنیت کا استدلال کیا ہے اس کے جواب میں ہم دو طریق اختیار کر سکتے ہیں۔

(۱) یہ کہ ان قراءٰت صحیحہ متواترہ کو ہم اصل قرار دیتے ہوئے دیگر روایات کو ان ہی پر محمول کریں اور تطبیق دیں۔

(۲) اگر تطبیق نہ ہو سکے تو روایات انکار میں انقطاع باطنی مانیں اس لئے کہ یہ فن اصول میں ثابت ہے کہ جب ثقہ راویوں کی روایات حدیث مشہور کے خلاف ہوں تو حدیث مشہور کو ترجیح دی جائے گی اور اس کے خلاف روایات غیر مقبول قرار دی جائیں گی۔ (نور الانوار وغیرہ)

اس زمانے کے بعض نام نہاد محققین نے یہاں یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ روایات انکار کے تمام راویوں پر جرحیں لکھ ماری ہیں۔ یہاں تک کہ جلیل القدر تابعی سلیمان بن مہران الاعمش کو شیعی قرار دیا ہے۔ کتب رجال میں "فیہ تشیع" دیکھا اور انہیں شیعی لکھدیا۔ جبکہ اس زمانے میں شیعہ روافض کو کہتے ہیں اور "سلف میں جو تمام خلفاء کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ حسن عقیدت رکھتا اور حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو ان میں افضل جانتا شیعی کہا جاتا۔ بلکہ جو صرف امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر تفضیل دیتا اسے بھی شیعی کہتے۔ حالانکہ یہ مسلک بعض علمائے اہلسنت کا تھا اسی بنا پر متعدد ائمہ کوفہ کو شیعہ کہا گیا بلکہ کبھی محض غلبہ محبت اہل بیت کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو شیعیت سے تعبیر کرتے حالانکہ یہ محض سنیت ہے۔" (فتاویٰ رضویہ ج ۲ ص ۲۱۹)

یہ ایک عام طریقہ ہے کہ جو حدیث اپنے مطلب کے خلاف نظر آئی اس کا کوئی قابل قبول حل نکالنے کے بجائے میزان، تہذیب، تذکرۃ الحفاظ وغیرہ کھول کر اس حدیث کے رواۃ پر جتنی جرحیں ملیں سب نقل کر کے ثقہ رواۃ کو غیر ثقہ بنادیا۔ اور قطعاً یہ لحاظ نہ کیا کہ ان رواۃ کے محاسن روایت کیا ہیں اور ان کی تضعیف و توثیق میں قول فیصل کیا ہے؟۔ نہ ہی یہ خیال فرمایا کہ ان رواۃ کو ضعیف اور ساقط الاعتبار کہہ دینے سے ان کی بے شمار وہ حدیثیں

بھی ضعیف ہو جائیں گی جنہیں اپنے مفید مطلب مقامات میں زندگی بھر خود ہی صحیح مانتے رہے ہیں

طریقۂ اوّل بہرحال مسئلہ زیر بحث میں راہ تطبیق اختیار کرنے کے لئے قسم اوّل کی جملہ روایات پر نظر ثانی کرتے ہوئے ان کا حل ملاحظہ کیجئے

(۱) حضرت ابن مسعود معوذتین کو مصحف سے مٹا دیتے تھے۔ قاضی ابوبکر باقلانی سے اس کی تاویل گذر چکی کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ معوذتین کی قرآنیت کے قائل تھے۔ لیکن مصحف سے انہیں محو کر دیتے تھے اس لئے کہ مصحف میں ثبت کرنے کے بارے میں سرکار سے کوئی حکم ان کے پاس نہ تھا اور ان کی رائے یہ تھی کہ مصحف میں وہی لکھا جائے جس کے لکھنے کا سرکار سے حکم مل چکا ہو۔

(۲) قرآن کو اس سے نہ ملاؤ جو "قرآن" سے نہیں۔

(۳) معوذتین "کتاب اللہ" سے نہیں۔ دونوں جگہ اگر قرآن اور "کتاب اللہ" سے مصحف مراد لے لیا جائے تو ان روایتوں کا بھی وہی مفہوم ہو جائے گا جو مذکورہ بالا روایت کا ہے۔ جب روایات صحیحہ و قراءات متواترہ سے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اعتقاد قرآنیت ثابت ہے اور ان روایات میں ایک صحیح معنی کی گنجائش ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ ان روایات میں قرآن بمعنی کلام اللہ لے کر انہیں ساقط الاعتبار ہی قرار دیا جائے۔ حالانکہ مصحف پر قرآن اور کتاب اللہ کا اطلاق عام طور پر ہوتا رہا ہے اور اب بھی ہوتا ہے۔

(۴) انما امر النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان یتعوذ بھما۔ اس روایت کا جس طرح یہ معنی لیا جاتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے معوذتین سے "صرف تعوذ" کا حکم دیا (یعنی ان کی قراءت کا حکم نہ دیا) اسی طرح یہ معنی بھی لیا جا سکتا

ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے "صرف معوذتین" سے تعوذ کا حکم دیا دوسری چیزوں سے نہیں۔ یہ معنی پہلے معنی سے زیادہ واضح اور اس بحث میں خود حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دوسری روایات صریحہ کے مطابق ہے۔

ابوداؤد اور نسائی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے ان نبی اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کان یکرہ عشر خصال نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دس باتیں ناپسند کرتے۔ ان دس باتوں میں یہ بھی ذکر کیا ہے۔ والرقی الا بالمعوذات غیر معوذات سے جھاڑ پھونک (ناپسند کرتے) بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ابن مسعود سے روایت کی۔ انہوں نے فرمایا۔

کان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یکرہ الرقی الا بالمعوذات

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جھاڑ پھونک ناپسند فرماتے مگر معوذات سے۔

یہ حدیثیں اس معنی میں واضح اور بالکل صریح و مفسر ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غیر معوذات (غالباً جمع اس لئے ہے کہ اس میں تغلیباً قل ھو اللہ احد بھی شامل ہے۔ جیسا کہ بعض حدیثوں میں وقت تعوذ معوذتین کے ساتھ اسے بھی شامل کرنے سے معلوم ہوتا ہے) سے جھاڑ پھونک ناپسند کرتے۔ لہٰذا ان حدیثوں کی روشنی میں حدیث بالا کا بھی یہی معنی لیا جائے گا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صرف معوذتین سے تعوذ کا حکم دیا اس کا معنی یہ نہیں کہ معوذتین سے صرف تعوذ کا حکم دیا قرأت کا نہیں۔

(۵) کان ابن مسعود لا یقراء بھما۔ اگر اس کا یہ معنی لیا جائے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ معوذتین کو مطلق پڑھتے ہی نہ تھے تو یہ قرین قیاس بھی نہیں اور قرأت صحیحہ کے خلاف بھی لھذا کان لا یقرء بھما کا یہ معنی لیا جائے گا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نماز میں معوذتین کی قرأت نہ کرتے۔ مگر ہم یہ کہیں گے کہ ایک

راوی کے صرف اتنے بیان سے یہ نتیجہ لینا آسان نہیں کہ وہ معوذتین کو قرآن نہیں مانتے تھے راوی کا بیان صرف راوی کے علم کی حد تک ہے انہوں نے حضرت ابن مسعود سے نماز میں معوذتین کی قرات نہ سنی۔ تو اس سے صرف یہ معلوم ہوا کہ جن جہری نمازوں میں یہ راوی ان کے ساتھ تھے ان میں حضرت ابن مسعود سے معوذتین کی قراءت نہ سنی۔ ہو سکتا ہے کہ وہ سری نمازوں میں پڑھتے رہے ہوں یا بہت سی ان جہری نمازوں میں بھی پڑھا ہو جن میں یہ راوی ان کے ساتھ نہ تھے اور اگر یہی تسلیم کر لیا جائے کہ حضرت ابن مسعود نے زندگی بھر نماز میں معوذتین کی قراءت نہ کی تو بھی اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت ابن مسعود معوذتین کی قرآنیت کے قائل نہ تھے کسی نے زندگی بھر نماز میں کوئی سورہ (یاد ہوتے ہوئے بھی) نہ پڑھی تو اس سے یہ نتیجہ کیسے نکل سکتا ہے۔ کہ اس نے اس سورہ کو قرآن ہی نہ مانا

بھلا حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو معوذتین کی قرآنیت سے انکار کیونکر ہوگا جبکہ وہ خود رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کر رہے ہیں کہ

لقد انزل علیّ آیات لم ینزل علیّ مثلھن المعوذتین۔	مجھ پر ایسی آیات نازل ہوئیں جیسی پہلی نازل نہ ہوئیں وہ معوذتین ہیں۔

سرکار پر نازل ہونے والی چیز "وحی" اور کلام الٰہی ہے اور کلام الٰہی اگرچہ سب یکساں ہے۔ مگر بعض میں امت کے لئے فضیلت و ثواب زیادہ ہے اسی لحاظ سے حضور معوذتین کو نازل شدہ چیزوں میں بے مثال بتا رہے ہیں جس سے قرآن کی بہت سی ان سورتوں اور آیتوں پر معوذتین کی افضلیت ثابت ہوتی ہے جنہیں سرکار نے کہیں صراحۃً معوذتین سے افضل نہیں بتایا ہے کیا یہ ممکن ہے کہ سرکار غیر قرآن کو قرآن سے افضل بتا دیں ؟؟۔ غیر قرآن اگرچہ

کلام الٰہی غیر متلو ہی ہو، یا دیگر کتب سماویہ ہوں۔ بہر حال قرآن کا سب سے افضل ہونا صراحۃً ثابت ہے، اس لئے ہرگز یہ متوقع نہیں کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سرکار سے سن کر معوذتین کو نازل شدہ چیزوں میں افضل و بے مثال تو مانیں مگر انہیں غیر قرآن کہہ کر اپنے سر یہ الزام لیں کہ ابن مسعود غیر قرآن کو قرآن سے افضل مانتے ہیں۔

اور یہ تو پہلے ذکر ہو چکا کہ "آیات" کا اطلاق قرآن ہی کے لئے ہوتا ہے۔ اس لئے یہ قطعاً ناممکن ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ معوذتین کو آیات اور سورتیں مان کر بھی قرآن نہ مانیں۔

اور سب سے قوی دلیل وہ قراءات متواترہ ہیں جو حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہیں۔ اور ان میں معوذتین موجود ہیں۔ لہٰذا ان سب کے ہوتے ہوئے چند غیر صریح روایات سے انکار قرآنیت کا استدلال ہرگز صحیح نہیں۔

طریقہ دوم حتی الوسع ہم نے روایات انکار کے صحیح معانی بتاتے ہوئے تطبیق دکھائی۔ کیونکہ متعارض روایات و اقوال میں پہلا درجہ تطبیق ہی کا ہے۔ اس کے باوجود اگر کوئی تطبیق سے متفق نہ ہو تو لامحالہ اسے تسلیم کرنا ہوگا کہ جن روایات سے بظاہر انکار قرآنیت کا معنیٰ نکلتا ہے وہ قراءات صحیحہ متواترہ کے مقابلہ میں مرجوح ہوں گی۔ اگرچہ ان کے رواۃ ثقہ اور معتبر ہیں۔ مگر جب ایسی کوئی حدیث دوسری حدیث مشہور کے معارض ہو تو حدیث مشہور کو ترجیح ہوتی ہے اور دوسری روایت میں انقطاع باطنی مانا جاتا ہے کہ راوی کو فہم معنیٰ میں کوئی وہم عارض ہوا — ان کلمات پر ہم بحث معوذتین ختم کرتے ہیں۔

حاصل بحث یہ ہوا کہ (۱) حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قبل اجماع صحابہ کتابت معوذتین سے انکار تھا بعد اجماع وہ کتابت کے بھی قائل ہو گئے۔
(۲) حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کسی زمانے میں قرآنیت معوذتین کے منکر نہ تھے۔

دُعائے خلع و دُعائے حفد

متعدد روایات سے ثابت ہے کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مصحف میں سورۃ الناس کے بعد یہ دو دعائیں تھیں۔

(۱) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اللھم انا نستعینك ونستغفرك ونثنی علیك الخیر، ولا نکفرك ونخلع ونترك من یفجرك ۔

(۲) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اللھم ایاك نعبد ولك نصلی ونسجد والیك نسعی ونحفد، نخشی عذابك ونرجو رحمتك ان عذابك بالکفار ملحق ۔

تمام روایات میں ان دعاؤں کے الفاظ یکساں اور برابر نہیں۔ کمی بیشی اور تقدیم وتاخیر بھی ہے۔

بعض راویوں نے ان دعاؤں کو دو سورتوں سے تعبیر کیا۔ جس سے یہ وہم ہوتا ہے کہ دونوں دعائیں جزو قرآن ہیں۔ مگر بلا شبہ یہ دعائیں جزء قرآن نہیں۔ نہ ہی اس پر کسی دلیل کی حاجت۔ مگر جب جاہل یا متجاہل اعدار اسلام نے انہیں پیش کر کے قرآن مقدس پر نقص وکمی کا الزام عائد کیا ہے۔ تو اس پر بھی

تھوڑی گفتگو ضروری ہے۔

(۱) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ان دعاؤں کا سورہ یا جزءِ قرآن ہونا کسی روایت میں ثابت نہیں۔ درمنثور میں اس سے متعلق پندرہ سے زائد صحیح، حسن، ضعیف، قریباً تمام روایات پیش کردی ہیں مگر کسی روایت میں یہ ذکر نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں جزءِ قرآن بتایا ہو یا سورہ کے لقب سے یاد فرمایا ہو۔ بیہقی کی حضرت خالد بن عمران سے روایت کردہ صرف ایک روایت میں یہ ہے کہ حضرت جبریل سرکار کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے (کچھ کلمات کے بعد ہے) **ثم علیه هذا القنوت** " پھر انہوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ قنوت سکھایا۔ **اللهم انا نستعينك** الخ۔

اوّلاً یہ روایت ہمارے خلاف نہیں اس میں بھی صراحت ہے کہ **علمه هذا القنوت**۔ حضرت جبریل نے سرکار کو یہ " قنوت " سکھایا **علمه هذه السورة یا هاتین السورتین** (یہ سورہ یا یہ دونوں سورتیں سکھائیں) نہیں ہے۔ جس سے خود ہی واضح ہے کہ یہ دعائے قنوت تو ہے سورۂ قرآن نہیں۔

ثانیاً۔ ایسا ہرگز نہیں کہ حضرت جبریل نے جو کچھ بتایا ہو سب جزءِ قرآن ہی ہو حدیث کے طالب علم پر مخفی نہیں کہ ایسی کتنی روایات ہیں جن میں حضرت جبریل کے بعض باتیں بتانے اور سکھانے کا ذکر ہے مگر وہ جزء قرآن نہیں۔ قرآن ہونے کے لیے ضروری ہے کہ وہ بطور قرآن نازل ہو۔ اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قرآن بتاکر تعلیم وتبلیغ فرمائی ہو۔ الغرض ان کلمات کا دعائے قنوت ہونا تو مسلم ہے مگر ان کی قرآنیت کا کوئی ثبوت نہیں۔

(۲) خود حضرت ابی بن کعب سے ایسی کوئی روایت نہیں ملتی جس میں انہوں نے اس دعائے قنوت کو صراحۃً قرآن بتایا ہو۔

(۳) عہد صدیقی کی تدوین میں اعلان عام تھا کہ جس کے پاس جو کچھ قرآن ہو

لے آئے۔ مگر حضرت ابی بن کعب کا ان سورتوں کو بطور قرآن پیش کرنا کہیں ثابت نہیں۔

(۴) تدوین ثالث میں بھی اس کا موقع تھا مگر حضرت ابی بن کعب کا ان دعاؤں کو قرآن بتا کر پیش کرنا کسی روایت میں مذکور نہیں۔ جبکہ اس تدوین میں حضرت ابی بن کعب بنفس نفیس شامل تھے۔ اور بعض روایات سے ثابت ہے کہ حضرت زید کو املا کرانے والے یہی تھے۔

(۵) بالفرض اگر کسی صحیح روایت میں حضرت ابی بن کعب کا ان دعاؤں کو جزء قرآن بتانا مل جائے تو بھی خبر واحد سے قرآنیت کا ثبوت نہیں ہوتا۔ اس کیلئے تو تواتر ضروری ہے۔

(۶) مصحف عثمانی وہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دورۂ اخیرہ کے مطابق تدوین ہوا اس پر صحابہ کرام نے اجماع و اتفاق کیا اس میں جو درج تھا اسے قرآن غیر منسوخ ثابت و مستقر تسلیم کیا۔ اس کے علاوہ کو بالاجماع غیر قرآن یا قرآن منسوخ قرار دیا۔ ان اہل اجماع میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شریک ہیں۔ لہذا جب مصحف عثمانی میں یہ دعائیں نہ لکھی گئیں اور سورۃ الناس پر قرآن ختم کر دیا گیا تو بالاجماع ان کا قرآن نہ ہونا ثابت و متعین ہو گیا اور ان کے عدم قرآنیت میں کسی شک و شبہ کی بھی گنجائش باقی نہ رہی۔

ان دعاؤں کے لکھنے کا سبب

حضرت ابی بن کعب نے مصحف میں یہ دعائیں محض یادداشت کے طور پر لکھیں۔ رہا یہ کہ انہوں نے ان دعاؤں کی یادداشت کو اتنی اہمیت کیوں دی؟ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ:۔

(۱) یہ آسمان سے نازل ہوئیں۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے

خدمت اقدس سرکار دو عالم میں انہیں پیش کیا۔

(۲) یہ اندرون نماز اس مقام میں پڑھی جاتی ہیں جہاں بجز قرآن یا کسی دعائے قنوت اور تسمیہ و درود کے اور کسی چیز کا موقع نہیں یعنی وتر کی تیسری رکعت کے قیام میں بعد قرأت انہیں پڑھا جاتا ہے۔ اگرچہ اللہ اکبر کہہ کر انہیں قرأت سے جدا کر لیا جاتا ہے پھر بھی قراءت قرآن سے ان کا قرب واتصال اور مشابہت مقام واضح ہے۔

(۳) دعائے قنوت واجب ہے اس ادائے واجب کے لئے یقیناً افضل وہی جو سرکار سے ثابت اور آسمان سے نازل ہو۔ اس کے پیش نظر روزانہ نماز وتر میں ان کی حاجت ہے۔ لہٰذا ان کی حفاظت و یادداشت بھی اہم۔ ان امور کی بنا پر حضرت ابی بن کعب نے بطور یادداشت انہیں مصحف میں ثبت کر لیا۔

یہ بھی ذہن نشین رہے کہ انہوں نے وہ مصحف صرف اپنی یادداشت ہی کے لئے تو لکھا تھا۔ ہرگز ان کا مقصد یہ نہ تھا کہ اسے بتمامہ بلاد اسلام میں رائج کرنا ہے نہ ہی یہ گمان کہ لوگ اسے رائج کریں گے لہٰذا جب اسے اپنی ذات تک محدود رکھنا تھا تو اگر بطور یادداشت وہ دو اہم دعائیں بھی انہوں نے لکھ لیں تو ان پر کیا اعتراض ؟ انہوں نے تو یہی خیال رکھا کہ یہ غیر قرآن ہیں۔ مگر بطور یادداشت میں نے لکھ لیا ہے۔

اگر وہ ان دعاؤں کو قرآن بتاتے اپنے تلامذہ کو قرآن کہہ کر پڑھاتے تو یہ شبہ ہو سکتا تھا کہ انہیں ان دعاؤں سے قرآنیت کا گمان تھا مگر ان سے مروی قراءات متواترہ بلاشبہ ان دعاؤں سے خالی ہیں جس سے یقینی طور پر یہ واضح ہو جاتا ہے کہ انہیں ایسا کوئی گمان بھی نہ تھا۔

حاصل کلام یہ کہ ان دعاؤں کا قرآن نہ ہونا صرف یہی نہیں کہ جملہ صحابہ

وتابعین اور امت اسلامیہ کے نزدیک قطعی ویقینی ہے بلکہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک بھی ان کی عدم قرآنیت ہی متعین اور متیقن ہے ۔

اِختلاف قرائت

اختلافِ قرائت کیا چیز ہے ؟ ۔ کیا اختلافِ قرارت سے قرآن کے معانی میں اتنی تبدیلی ہو جاتی ہے کہ حلال وحرام کا فرق ہو جائے ۔ ایک قراءت سے کسی چیز کا جواز ہو اور دوسری سے اس کا عدم جواز نکلتا ہو ؟ ۔ یہ اختلاف کب سے اور کیونکر پیدا ہوا ؟ ۔ ائمہ قرارت کون تھے ؟ ۔ قرارت سبعہ وعشرہ کسے کہتے ہیں ۔ ؟

یہ اس موضوع کے بنیادی سوالات ہیں جنہیں اگلی سطور میں بیان کرنا مقصود ہے ۔

(۱و۲) اختلافِ قرارت کا ایک نقشہ ہم اگلے صفحات میں پیش کریں گے ۔ جس سے واضح ہوگا کہ یہ معمولی اختلافات ہیں ۔ صرف بعض کلمات یا حروف یا حرکات ، یا طریق ادا کا فرق ہے ۔ اور معانی میں ہرگز ایسی غیر معمولی تبدیلی نہیں ہوتی جس سے کوئی جائز ناجائز یا حرام وحلال ہو جائے ۔

(۳) صفحاتِ گزشتہ میں تفصیلاً اس کا ذکر آچکا ہے کہ عرب کے فصیح قبائل کی زبانوں اور طریق ادا میں فرق تھا ۔ جس کے پیش نظر قرآن سات لہجوں میں

نازل ہوا۔ خلافت عثمانی میں اولین زبان نزول، زبان قریش کے اور قرآن کے دورۂ اخیر کے موافق مصحف شریف کی تدوین ہوئی۔ مگر بعض فرق کلمات و حروف و حرکات واداجو عرصۂ اخیرہ میں باقی رہے اور جن کی روایت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت تھی وہ علیٰ حالہٖ قائم رکھے گئے۔ یہی مختلف قراءات ہیں جنہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے صحابہ کرام کی کثیر جماعت نے سیکھا اور صحابہ سے تابعین نے حاصل کیا اور تابعین سے تبع تابعین نے لیا۔ اسی طرح ہر زمانے اور ہر دور میں یہ قراءات کتابت واداکی نقل متواتر کے ساتھ ہم تک پہنچیں۔

اس لئے تمامی متواتر قرائتیں حق وصحیح واجب الاعتقاد اور واجب العمل ہیں ان کا منکر کافر ہے۔

(۴) ائمہ قرات

یہ قرائتیں سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے تواتر کے ساتھ منقول ہوئیں مگر ہر زمانے میں کچھ بزرگوں کو ان میں امامت کا درجہ حاصل رہا اور وہ اس فن سے اپنے غیر معمولی شغف اور اس میں اختصاص کی بناء پر زیادہ مشہور ہوئے۔

زمانہ مابعد میں بعض حضرات نے کسی خاص قرارت کی تعلیم واشاعت سے شغف اختیار کیا اور ان سے خاص ایک ایک قرأت بتواتر روایت کی گئی جس کے سبب وہ قرارت ان ہی کی طرف منسوب ہوئی، اور خاص ان کی قرارت کہلائی، ورنہ ہر قراءت کا مصدر ومرجع رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی کی ذات حقیقت مآب ہے۔

صحابہ

صحابہ کرام میں قراءت اور تعلیم قرأت میں سات اکابر زیادہ مشہور ہوئے۔ (۱) حضرت عثمان (۲) حضرت علی (۳) حضرت

ابی بن کعب (۴) حضرت زید بن ثابت (۵) حضرت عبداللہ بن مسعود (۶) حضرت ابوالدرداء (۷) حضرت ابوموسیٰ اشعری۔

حضرت ابی بن کعب سے خود صحابہ کی ایک جماعت نے فن قراءت حاصل کیا جن میں حضرت ابوہریرہ، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن سائب رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین بھی شامل ہیں۔

حضرت ابن عباس نے حضرت زید سے بھی شرف تلمذ حاصل کیا ہے۔

تابعین

صحابہ کرام سے تابعین کی ایک عظیم جماعت نے قراءت سیکھی جن کی مختصر فہرست یہ ہے۔

مدینہ میں

(۱) عبداللہ بن مسیب (۲) عروہ (۳) سالم (۴) عمر بن عبدالعزیز (۵) سلیمان بن یسار (۶) عطا بن یسار (۷) معاذ بن حارث معروف بہ قاضی قاری (۸) عبدالرحمٰن بن ہرمز الاعرج (۹) ابن شہاب زہری (۱۰) مسلم بن جندب (۱۱) زید بن اسلم۔

مکہ میں

(۱) عبید بن عمیر (۲) عطاء بن ابی رباح (۳) طاؤس (۴) مجاہد (۵) عکرمہ (۶) ابن ابی ملیکہ۔

کوفہ میں

(۱) علقمہ (۲) اسود (۳) مسروق (۴) عبیدہ (۵) عمرو بن شرجیل (۶) حارث بن قیس (۷) ربیع بن خثیم (۸) عمرو بن میمون (۹) ابو عبدالرحمٰن سلمی (۱۰) زر بن حبیش (۱۱) عبید بن نضلہ (۱۲) سعید بن جبیر (۱۳) نخعی (۱۴) شعبی۔

بصرہ میں

(۱) ابوعالیہ (۲) ابورجاء (۳) نصر بن عاصم (۴) یحییٰ بن یعمر (۵) حسن (۶) ابن سیرین (۷) قتادہ۔

شام میں

(۱) مغیرہ بن شہاب مخزومی شاگرد حضرت عثمان (۲) خلیفہ بن سعد تلمیذ حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

یہ وہ حضرات تھے جو قراءت میں اور لوگوں کی نسبت زیادہ نمایاں اور ممتاز شہرت کے حامل تھے۔ اس کے بعد کچھ لوگوں نے قراءت کو اپنے خاص فن کی حیثیت سے اختیار کیا اور اس پر زیادہ توجہ صرف کی جس کے باعث لوگوں نے ان کو اپنا مرجع و مقتدا بنا لیا۔

ان حضرات میں سے مدینہ میں ابوجعفر یزید بن قعقاع پھر شیبہ بن نصاح پھر نافع بن نعیم ــــ مکہ میں عبداللہ بن کثیر، حمید بن قیس الاعرج محمد بن ابی محیصن ــــ کوفہ میں یحییٰ بن وثاب، عاصم بن ابی النجود، اور سلیمان اعمش پھر حمزہ پھر کسائی ــــ بصرہ میں عبداللہ بن ابی اسحٰق عیسٰی بن عمر۔ ابوعمرو بن العلاء، عاصم جحدری پھر یعقوب حضرمی ــــ شام میں عبداللہ بن عامر، عطیہ بن قیس کلابی، اسماعیل بن عبداللہ بن مہاجر۔ پھر یحییٰ بن حارث ذماری، پھر شریح بن یزید حضرمی زیادہ مشہور ہوئے۔

قراءات سبعہ

اور ان میں سے ائمہ سبعہ کو عالمگیر شہرت اور عظیم درجہ امامت حاصل ہوا۔ آج انہیں کی قراءتیں پڑھی پڑھائی جاتی ہیں۔ ان کے دور میں خود ان سے بے شمار حضرات نے فن قراءت کی تحصیل کی۔ مگر ان کے تلامذہ میں سے بھی چند ہی حضرات شہرت دوام و عام سے سرفراز ہوئے۔

ان ساتوں اماموں کی قراءتیں متواتر ہیں اور ہر قاری کی طرف ایک قراءت منسوب ہے۔ ان قاریوں میں سے ہر ایک کے دو خاص راوی ہیں۔ جن سے ان کی قراءتیں مروی ہیں۔

پھر ان رواۃ کا بھی ایک سلسلہ تعلیم ہے۔ جس طرح اس وقت احادیث کا سلسلہ اسناد فاضل حدیث سے مصنفین کتب حدیث پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک ہوتا ہے۔ اسی طرح قرارت کا سلسلہ اسناد بھی فاضل قرارت سے لے کر کسی امام قرارت یا ائمہ سبعہ تک اور پھر ان سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک ہوتا ہے۔

ان ائمہ قرارت اور ان کے رواۃ کے مختصر حالات یہاں نقل کئے جاتے ہیں۔

نمبر	قاری	راوی	راوی	نمبر	قاری	راوی	راوی
۱	نافع مدنی	قالون	ورش	۵	عاصم کوفی	شعبہ	حفص
۲	ابن کثیر مکی	بزی	قنبل	۶	حمزہ کوفی	خلف	خلاد
۳	ابو عمرو بصری	دُوری	سُوسی	۷	کسائی	ابو الحارث	دُوری
۴	ابن عامر شامی	ہشام	ابن ذکوان		.	.	.

ساتوں قاریوں سے راوی تو بے شمار ہیں مگر ہر قاری کے دو دو راوی زیادہ مشہور ہیں جن سے آج کل بھی روایت قرارت جاری ہے اس لئے انھیں حضرات کے تذکرے پر اکتفا کی گئی ہے۔

قرارات عشرہ

ان ساتوں قاریوں کے ساتھ تین قرار ابو جعفر (یزید بن القعقاع) یعقوب اور خلف کی قرأتیں قرارت عشرہ اور یہ حضرات قرار عشرہ کہلاتے ہیں۔ ان ائمہ کی قرأتیں بھی متواتر ہیں۔

(۱) نافع مدنی

نافع نام۔ ابو رویم کنیت۔ ولادت ۷۰ھ تقریباً وفات ۱۶۹ھ

مدینہ طیبہ میں ستر تابعین سے تحصیل قرارت کی۔ خود بھی تابعی تھے۔ کلام

کرتے تو منہ سے مشک کی خوشبو آتی۔ پوچھا گیا۔ آپ خوشبو لگا کر پڑھاتے ہیں۔؟ فرمایا۔ نہیں میں نے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ میرے منہ میں قرارت فرمارہے ہیں۔ جب ہی سے یہ خوشبو آتی ہے۔

مدینہ منورہ میں بلا اختلاف امام قرارت مانے جاتے تھے۔ مدینہ ہی میں قیام رہا۔ اور وہیں جنۃ البقیع میں مدفون ہیں۔ قریبًا سو سال عمر پائی۔

تلامذہ کی تعداد بہت ہے۔ جن میں اسماعیل بن جعفر انصاری۔ اصمعی اور امام مالک جیسی عظیم شخصیتیں بھی ہیں۔ تمام علماء اس کی توثیق کرتے ہیں کہ امام نافع ستر برس سے زیادہ مسند درس پر فائز رہے۔ آپ کے راویوں میں قالون اور ورش زیادہ مشہور ہیں۔

قالون

عیسیٰ بن مینا نام۔ ابو موسیٰ کنیت۔ قالون لقب، جس سے شہرت ہوئی۔ ولادت سنہ ۱۲۰ھ مدینہ منورہ۔ وفات سنہ ۲۲۰ھ مدینہ منورہ۔

قالون۔ رومی لفظ ہے جس کے معنی "جَیِّد" (عمدہ) ہیں۔ امام نافع ہی نے انہیں یہ لقب عطا کیا تھا۔ کان کے بہرے تھے۔ لیکن یہ انعام خداوندی تھا کہ قرآن کریم سننے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی تھی۔ سنہ ۱۵۰ھ تک امام نافع سے پڑھتے رہے۔

خود فرماتے ہیں کہ میں جب امام نافع سے ان کی قرارت ان گنت مرتبہ پڑھ چکا تو امام نافع نے فرمایا۔ تم مجھ سے کب تک پڑھتے رہو گے۔ اب درس دینا شروع کرو۔

پھر آپ نے ستر سال درس دیا۔ پورے سو سال کی عمر میں وفات پائی۔

ورش

عثمان بن سعید نام - ابوسعید کنیت - ورش لقب ہے اور یہ بھی لقب ہی سے مشہور ہیں - ولادت ۱۱۰ھ مصر - وفات ۱۹۷ھ مصر - عمر ۸۷ سال -

مصر سے مدینہ منورہ آکر امام نافع سے قرارت کی تعلیم حاصل کی - انتہائی خوش آواز تھے - اسی وجہ سے امام نافع نے انہیں " ورشان " لقب عطا فرمایا تھا - " ورشان " نر فاختہ کو کہتے ہیں - کثرت استعمال سے الف لون حذف ہوکر ورش رہ گیا - یونس بن عبدالاعلیٰ فرماتے ہیں کہ ورش خوش قرارت اور خوش الحان تھے ان کی قرارت سننے والوں پر ایک عجیب کیفیت طاری ہو جاتی تھی - مدینہ منوّرہ میں تعلیم سے فارغ ہوکر ۱۵۵ھ میں مصر واپس آگئے اور وہیں کار تدریس میں مصروف ہوئے -

(۲) ابن کثیر مکی

عبداللہ بن کثیر نام - ابو معبد کنیت ولادت ۴۵ھ مکہ بزمانہ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ - وفات ۱۲۰ھ مکہ معظمہ بعہد ہشام ابن عبدالملک

دوسرے طبقہ کے تابعی تھے - حضرت ابوایوب انصاری، عبداللہ بن زبیر قرشی، انس بن مالک وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ملاقات کا شرف حاصل تھا عبداللہ بن سائب صحابی سے تحصیل علم کی تھی - عراق میں عرصہ تک رہنے کے بعد مکہ معظمہ پھر واپس آگئے - اور قاضی مقرر ہوئے - مشہور محدث و فقیہ سفیان بن عیینہ امام النحو خلیل بن احمد جیسے ائمہ آپ کے شاگرد تھے -

ان کے رواۃ میں بزّی اور قنبل زیادہ مشہور ہیں - دونوں ان سے بالواسطہ روایت کرتے ہیں -

بزّی احمد بن محمد نام ۔ کنیت ابوالحسن ۔ ولادت ۱۷۰ھ وفات ۲۵۰ھ مکہ معظمہ ۔ اپنے جد اعلیٰ ابو بزّہ کی طرف نسبت کی بناء پر بزّی کہلاتے ہیں

بزّی عکرمہ بن سلیمان سے ، یہ اسمٰعیل بن عبداللہ قسط اور شبلی بن عباد سے اور یہ دونوں حضرات امام ابن کثیر سے روایت کرتے ہیں ۔

قنبل محمد بن عبدالرحمٰن (مخزومی مکی) نام ، ابوعمر کنیت ، قنبل لقب ۔ ولادت ۱۹۵ھ ۔ وفات ۲۹۱ھ عمر ۹۶ سال ۔ قرارت میں حجاز کے امام اور رئیس القرار تھے مکہ میں ان کا گھرانہ آج تک قنابلہ کے نام سے مشہور ہے

(۳) **ابوعمرو بصری** ابوعمرو بن العلار مازنی ۔ نام میں اختلاف ہے ۔ بعض نے کنیت ہی کو نام کہا ہے ۔ ولادت ۶۸ھ مکہ معظمہ ۔ وفات ۱۵۴ھ کوفہ ۔

بصرہ میں پرورش پائی تابعی ہیں ۔ حضرت انس بن مالک سے روایت کرتے ہیں ۔ قرارت ، عربیت ، لغت ، انساب ، تاریخ اور شاعری میں اعلم الناس تھے ۔

حضرت حسن بصری آپ کے مداح تھے ۔ رمضان میں کبھی شعر نہ پڑھتے شام جاتے ہوئے کوفہ میں وفات پائی ۔

ان کے راویوں میں دوری ، اور سوسی زیادہ مشہور ہیں اور دونوں ان سے بالواسطہ روایت کرتے ہیں ۔

دُوری بصری حفص بن عمر نام ، ابوعمر کنیت ۔ ولادت ۱۵۰ھ دور وفات ۲۴۶ھ سامرہ ۔

بغداد کے قریب ہی دور نامی قریہ ہے اسی کی طرف نسبت کے باعث دُوری کہلاتے ہیں ۔ اپنے استاد ابومحمد یحیٰی بن مبارک بصری معروف بہ

یزیدی کے واسطے سے ابوعمرو بصری کی قرارت روایت کرتے ہیں۔ یزیدی بڑی شان کے ساتھ بغداد میں رہتے تھے۔ یزید بن منصور کے لڑکوں کے اتالیق ہونے کے باعث یزیدی سے مشہور ہو گئے۔ قرارت، حدیث، نحو اور لغت کے ماہر، شاعر اور صاحب تصانیف بزرگ تھے۔

ملا علی قاری فرماتے ہیں۔ دُوری نے قرائتیں جمع کیں اور ان کے متعلق ایک کتاب بھی لکھی۔ متعدد حضرات سے حدیثیں سنیں قرآن و تفسیر کے عالم تھے۔

سوسی صالح بن زیاد نام ابوشعیب کنیت۔ ولادت ۱۷۱ھ تقریباً وفات محرم ۲۶۱ھ خراسان۔ اہواز کے موضع سوس میں پیدا ہوئے علامہ یزیدی سے تحصیل قرارت کی ان ہی کے واسطے سے روایت کرتے ہیں، رقہ جو دریائے فرات کے کنارے ارض ربیعہ کا ایک شہر ہے۔ وہیں رہتے تھے ۹۰ سال عمر پائی۔

(۴) ابن عامر شامی عبداللہ نام۔ ولادت ۲۱ھ وفات ۱۰ محرم ۱۱۸ھ دمشق بعہد ہشام بن عبدالملک۔ دمشق کے رہنے والے تابعی ہیں۔ صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے پڑھا۔

جن میں مغیرہ بن ابی شہاب اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی ہیں۔ ابن عامر شامی باعتبار زمانہ و بلحاظ شیوخ سب سے مقدم ہیں۔ شام کے ایک گاؤں میں جس کو رحاب یا جابیہ کہتے ہیں۔ پیدا ہوئے۔ نو سال کی عمر میں دمشق تشریف لائے۔ اور وہیں قیام فرمایا۔ دمشق کے قاضی بھی تھے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز اپنی خلافت کے زمانے میں ان کے پیچھے نماز پڑھتے تھے۔

رواۃ میں ہشام اور ابن ذکوان زیادہ مشہور ہیں۔ دونوں حضرات ان سے بالواسطہ روایت کرتے ہیں۔

ہشام

ہشام بن عمار نام۔ ولادت ۱۵۳ھ دمشق۔ وفات آخر محرم ۲۴۵ھ دمشق۔

یہ ابوالضحاک عراک بن خالد مُرّی تابعی اور ابوسلیمان ایوب بن تمیم تمیمی سے اور یہ دونوں یحییٰ بن حارث ذماری سے اور یہ ابن عامر شامی سے روایت کرتے ہیں۔

ہشام حفاظ حدیث میں سے ہیں۔ بخاری، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ اور محدثین کی ایک جماعت کثیرہ ان سے روایت کرتی ہے۔ عقل و درایت، فصاحت و بلاغت، نقل و روایت، اور علم وفضل میں مشہور تھے۔

ابن ذکوان

عبداللہ بن احمد بن بشیر بن ذکوان نام۔ ابوعمرو کنیت ولادت عاشورہ ۱۷۳ھ دمشق۔ وفات شوال ۲۴۲ھ دمشق۔

ہشام کی طرح ابوسلیمان ایوب بن تمیم تمیمی سے یہ سند مذکور روایت کرتے ہیں ان سے ابوداؤد، ابن ماجہ وغیرہما محدثین کی ایک جماعت روایت حدیث کرتی ہے ولید بن عتبہ فرماتے ہیں، جو تمام عراق میں ان سے بہتر قرآن شریف پڑھنے والا کوئی نہیں تھا۔ ابوزرعہ کہتے ہیں: قرارت قرآن میں حجاز، شام، مصر اور خراسان میں ان کا کوئی ثانی نہ تھا۔ ایوب بن تمیم کے بعد دمشق کی ریاست قرآن ان ہی پر منتہی ہوتی ہے۔

(۵) امام عاصم کوفی

عاصم بن ابی النجود نام۔ ابوبکر کنیت وفات ۱۲۷ھ

عبداللہ بن حبیب سلمی زر بن جیش، سعید بن عیاش شیبانی سے تحصیل قرارت کی۔ یہ تینوں حضرات کبار تابعین سے ہیں اور بلا واسطہ حضرت عثمان حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت ابی بن کعب اور حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے شاگرد ہیں۔

امام عاصم خود بھی تابعی ہیں۔ حارث بن حسان اور دیگر صحابہ کرام سے ملاقات کی ہے۔ امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں۔ "عاصم صاحب قرارت ہیں اور میں ان کو زیادہ پسند کرتا ہوں۔" عجلی فرماتے ہیں "عاصم صاحب سنت وقرارت، ثقہ اور رئیس القرار تھے۔"

ابو اسحق سبیعی فرماتے ہیں۔ "میں نے عاصم سے بہتر قاری نہیں دیکھا اور عاصم سے زیادہ قرآن مجید کا عالم نہیں پایا۔" فصاحت و بلاغت، ضبط و اتقان اور تجوید میں کمال رکھتے تھے طرز ادا اور لہجہ عجیب تھا، خوش الحانی میں بے نظیر تھے، ساتھ ہی عابد و زاہد اور کثیر الصلوٰۃ بھی تھے۔ وفات کے وقت آیہ ثُمَّ رُدُّوا الی اللہ مولٰھم الحق بار بار پڑھ رہے تھے۔

پچاس سال تک مسند درس پر فائز رہے۔ آپ کے شاگرد بہت ہیں۔ کتنے تلامذہ تو خود اکابر ائمہ ہیں۔ جیسے امام ابو حنیفہ، حضرت فضیل اور حضرت حماد رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہم۔

رواۃ میں ان کے دو شاگرد زیادہ مشہور ہیں۔ ابوبکر شعبہ، دوسرے حفص بن سلیمان۔

امام شعبہ

شعبہ نام۔ کنیت ابوبکر۔ ولادت ۹۵ھ کوفہ۔ وفات ۲۱ جمادی الآخرہ ۱۹۳ھ کوفہ

عالم و فاضل تھے۔ امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں۔ "شعبہ ثقہ، صالح

صدوق اور صاحب قرآن وسنت تھے۔ خود فرماتے ہیں، میں نے کبھی کوئی منکر نہیں کیا اور تیس سال سے زیادہ ہورہے ہیں۔ کہ روزانہ ایک ختم قرآن شریف کرتا ہوں:

ستر سال عبادت میں گزار دیئے۔ اور چالیس سال ان کے لئے بستر نہیں بچھایا گیا۔ اس عرصہ میں زمین سے پیٹھ نہیں لگائی۔ تلاوت قرآن سے خاص شغف تھا۔ حدیہ ہے کہ نشست کے لئے جو جگہ مقرر کی تھی وہاں چوبیس ہزار ختم قرآن شریف فرمایا۔

امام عاصم سے تیس سال کی عمر میں تین مرتبہ قرآن شریف پڑھا۔ پانچ پانچ آئتیں پڑھ کر تین سال میں ختم کیا۔ امام کسائی وغیرہ ان کے تلامذہ میں ہیں۔

امام حفص

حفص بن سلیمان نام۔ ابو عمر کنیت۔ ولادت ۹۰ھ وفات ۱۸۰ھ

امام عاصم کے ربیب (پروردہ) تھے ابن معین فرماتے ہیں کہ حفص وشعبہ امام عاصم کی قراءت میں اعلم الناس تھے اور حفص، ابوبکر شعبہ سے اقرار تھے۔

علامہ ذہبی فرماتے ہیں کہ "قرارت میں حفص ثقہ ضابط تھے" امام عاصم سے متعدد بار قرآن شریف پڑھا۔ ان کا حافظہ بہت قوی تھا۔ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ کے ساتھ کپڑے کی تجارت کرتے تھے۔ جو کچھ اپنے استاذ سے پڑھتے اسے خوب یاد رکھتے

(۶) امام حمزہ کوفی

حمزہ بن حبیب الزیات نام، کنیت ابو عمارہ ولادت ۸۰ھ کوفہ۔ وفات ۱۵۶ھ حلوان تبع تابعی ہیں۔ امور شرعیہ میں بڑے محتاط۔ عابد وزاہد اور قائم اللیل تھے۔ تلاوت قرآن کا شوق بہت زیادہ تھا۔ ہر مہینہ ۲۵-۲۶ بار قرآن شریف ختم کرتے علم فرائض میں بڑے ماہر تھے۔ ابن فضل فرماتے ہیں "کوفہ سے امام حمزہ کے باعث بلا دور رہتی

ہے " ان کے استاذ حضرت اعمش انہیں دیکھتے تو فرماتے یہ "حبرِ قرآن ہے" امام اعظم ابو حنیفہ فرماتے ہیں " حمزہ قرارت اور فرائض میں بلا نزاع ہم سب پر فائق ہیں،
امام قرارت کسائی۔ سفیان ثوری۔ اور ابراہیم بن ادہم جیسے جلیل القدر حضرات امام حمزہ کے شاگردوں میں ہیں۔

ان کے رواۃ میں خَلَفؒ اور خلّادؒ زیادہ مشہور ہیں۔ دونوں حضرات بواسطہ ابو عیسیٰ سلیم بن عیسیٰ کوفی امام حمزہ سے روایت کرتے ہیں۔

کوفہ کے اندر سنہ ۱۳۰ھ میں حضرت سلیم کی ولادت ہوئی، اور سنہ ۱۸۸ھ یا سنہ ۲۰۰ھ میں وہیں وفات پائی، امام حمزہ کے تلامذہ میں خاص جلالت رکھتے تھے۔ یحییٰ فرماتے ہیں کہ جب سلیم آتے تو امام حمزہ فرماتے مؤدب ہو جاؤ سلیم آرہے ہیں۔ امام سلیم خود فرماتے ہیں میں نے امام حمزہ سے دس مرتبہ قرآن شریف پڑھا اور ایک حرف میں بھی ان کی مخالفت نہیں کی۔

خلف خلف بن ہشام بزار۔ خود ائمہ عشرہ سے ہیں۔ سنہ ۱۵۰ھ میں پیدا ہوئے اور جمادی الآخرہ سنہ ۲۲۹ھ بغداد میں وفات پائی۔

دس سال کی عمر میں قرآن حفظ کر چکے تھے اور تیرھویں سال میں سماعت حدیث کی۔ عابد وزاہد۔ صائم الدہر، ثقہ اور جلیل الشان امام تھے۔ حفاظ حدیث میں سے ہیں ان سے امام مسلم و امام ابو داؤد وغیرہما محدثین حدیث روایت کرتے ہیں۔

خلّاد خلاد بن خالد صیرفی نام۔ ابو عیسیٰ کنیت۔ وفات سنہ ۲۲۰ھ کوفہ میں قوی الحافظہ، ثقہ، محقق، مجوِّد، صاحب ضبط و اتقان تھے۔

جامع ترمذی اور صحیح ابن خزیمہ میں ان سے حدیث مروی ہے۔

(۷) امام کسائی کوفی

علی بن حمزہ کوفی نام، ابو الحسن کنیت، ولادت سنہ ۱۱۹ھ کوفہ۔ وفات سنہ ۱۸۹ھ احرام

کی حالت میں کِسا (کملی) پہنتے تھے اسی لئے کسائی سے مشہور ہو گئے۔ امام حمزہ عیسٰی بن عمر و اور ابو بکر بن عیاش سے تحصیل فن کی۔ علم قراءت کے امام ہونے کے علاوہ نحو و لغت کے بھی امام تھے۔ معانی القرآن، کتاب النحو، لغوا در کبیر وغیرہا ان کی تصانیف ہیں سیبویہ سے ان کا مناظرہ ہوا تھا۔

ہارون کے ساتھ "رے" جاتے ہوئے موضع مرنبویہ میں وفات پائی وہیں امام محمد شاگرد امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما نے بھی وفات پائی جس پر ہارون نے کہا تھا "ہم نے فقہ اور قراءت کو یہاں دفن کر دیا"

ان کے شاگردوں میں دو راوی زیادہ مشہور ہیں۔ ابو الحارث اور دوری

ابو الحارث لیث بن خالد (مروزی بغدادی) نام۔ ابو الحارث کنیت ثقہ، ضابط، صالح، محقق اور قراءت کے ماہر امام کسائی کے اجل تلامذہ سے تھے۔ ۲۴۰ھ میں انتقال فرمایا۔

دوری ان کا حال گذر چکا۔ چونکہ یہ ابو عمرو بصری، اور امام کسائی دونوں کے راوی ہیں اس لئے امام کسائی کی روایت بیان کرتے وقت دوری علی یا دوری کسائی ـــــ اور ابو عمرو بصری کی روایت کے وقت دوری بصری لکھتے ہیں۔

(تیسیر الطبع فی اجراء السبع از مولانا محمد حسین اشرفی۔ مقدمہ)

(۸) یعقوب حضرمی بصری (قاری عشرہ) ولادت ۱۱۷ھ وفات ۲۰۵ھ

جماعت کثیرہ سے تحصیل قراءت کی۔ امام کسائی، محمد بن زریق کوفی، اور امام حمزہ سے بھی سماع حاصل ہے ـــ ان کی سند قراءت یہ ہے ـــ یعقوب بن زید سلام عاصم۔ ابو عبد الرحمٰن سلمی۔ علی بن ابی طالب۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم۔ان سے جماعت کثیرہ نے تحصیل قرارت کی ہے۔بصرہ کی جامع مسجد کے امام ہمیشہ یعقوب ہی کی قرارت پہ نماز پڑھتے۔ان کے باپ اور دادا دونوں حضرات قاری ہیں، صاحب فضل وکمال، متقی وزاہد تھے۔زاہد اور خدا کی طرف توجہ کا یہ حال تھا کہ ایک بار نماز میں ان کے کندھے سے چادر چرالی گئی۔مگر انہیں خبر نہ ہوئی۔پھر چادر لاکر رکھ دی گئی تو بھی انہیں پتہ نہیں چلا۔

قرآن، عربیت، روایت حدیث، اور فقہ میں کمال حاصل تھا۔ابوحاتم فرماتے ہیں۔ہم نے جن لوگوں کو پایا۔ان میں یعقوب سب سے بڑے قاری و عالم تھے۔ذی الحجہ ۲۰۵ھ میں اٹھاسی ۸۸ سال کی عمر میں وفات پائی۔ان کے باپ دادا اور پردادا کی بھی یہی عمریں تھیں۔تمام حضرات نے اٹھاسی ۸۸ سال کی عمر میں وصال فرمایا۔

(۹) ابوجعفر یزید بن القعقاع مدنی

وفات ۱۳۰ھ مدینہ۔

عبداللہ بن عیاش مخزومی کے آزاد کردہ غلام ہیں۔اپنے مولی عبداللہ بن عیاش بن ابی ربیعہ عبداللہ بن عباس اور ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے تحصیل قرارت کی۔عبداللہ بن عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور مردان بن الحکم سے بھی سماع حاصل ہے کمسنی میں ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس حاضر کیے گئے۔انہوں نے ان کے سر پر دست مبارک پھیرا اور دعائے برکت کی۔

واقعہ حرہ ۶۳ھ سے پہلے مدینہ میں یہ سب سے بڑے قاری تھے ان سے امام نافع بن ابی نعیم، سلیمان بن مسلم، عیسیٰ بن وردان، امام ابوعمرو، عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم اور خود ان کے دونوں فرزند اسمٰعیل و یعقوب نے ان سے روایت قرارت کی ہے۔عبدالرحمٰن بن ہرمز الاعرج جیسے جلیل

القدر تابعی پر اس زمانے میں انہیں مقدم کیا جاتا۔
صوم داؤدی (ایک دن روزہ ایک دن افطار) کے پابند تھے۔ فرماتے اس روزے سے اپنے نفس کو عبادت الٰہی کے لئے تیار کرتا ہوں درمیان شب چار رکعت نماز ادا کرتے۔ ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد طوال مفصل (حجرات تا بروج) کی کوئی سورہ پڑھتے۔ بعد نماز اپنے لئے، تمام مسلمانوں کے لئے اور ان سب لوگوں کے لئے دعائیں کرتے جنہوں نے ان سے پڑھا اور ان کے بعد یا ان سے پہلے ان کی قرارت کی ما امام نافع بیان کرتے ہیں۔ بعد وفات جب امام ابوجعفر کو غسل دیا جارہا تھا تو لوگوں نے دیکھا کہ ان کے گلے سے دل تک ورق مصحف کی طرح روشن ہے۔ دیکھنے والوں کو اس میں کوئی شک نہ رہا کہ یہ نور قرآن تھا۔ مدینہ کے اندر ۱۳۰ھ میں وفات پائی۔

(۱۰) خلف بن ہشام بغدادی

رواۃ امام حمزہ کے ضمن میں ان کے حالات گزر چکے۔

ارباب تصنیف

ابوعمرو دانی

عثمان بن سعید بن عثمان بن سعید اموی۔ ولادت ۳۷۱ھ۔ وفات ۱۵ شوال ۴۴۴ھ دانیہ۔

تصانیف

(۱) کتاب التیسیر (۲) جامع البیان فی القرأت السبع (۳) المقنع فی رسم المصحف (۴) المحکم فی النقط (۵) المحتوی فی القراءات الشواذ (۶) طبقات القراء - ۴ جلدیں (۷) شرح قصیدۃ الخاقانی فی التجوید وغیرہا۔

امام شاطبی قاسم بن فیرہ ۔ ولادت ۵۳۳ھ شاطبہ (قریہ اندلس) وفات ۲۸ جمادی الآخرہ ۵۹۰ھ قاہرہ ۔

تصنیفات میں سب سے اعلیٰ قصیدہ لامیہ شاطبیہ ہے اور قصیدہ رائیہ ۔

امام سخاوی علی بن محمد بن عبدالصمد ہمدانی سخاوی ولادت ۵۵۸ھ یا ۵۵۹ھ سخا (مصر) وفات ۱۸ جمادی الآخرہ ۶۴۳ھ ۔

تصانیف (۱) فتح الوصید شرح شاطبیہ (شاطبیہ کی سب سے پہلی شرح (۲) الوسیلہ الی شرح العقیلہ ۔ امام شاطبی کے قصیدہ رائیہ کی شرح (۳) المفضل فی شرح المفصل (نحو) ۴ جلدیں (۴) سفر السعادہ وسفیر الافادۃ (مفصل ہی کی دوسری شرح) (۵) زمخشری کے احاجی نحویہ کی شرح (۶) چار جلدوں میں سورہ کہف تک کی تفسیر (۷) القصائد السبع فی مدح سید الخلق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (۸) المفاخرۃ بین دمشق والقاہرہ وغیرہا ۔

شیخ جعبری ابواسحٰق ابراہیم بن عمر جعبری ولادت ۶۴۰ھ تقریباً (قلعہ جعبر) وفات ۱۳ رمضان ۷۳۲ھ ۔

تصنیفات میں شاطبیہ و رائیہ کی شرحیں اور بہت سی کتابیں ہیں ۔

ابویوسف ہمدانی منتجب الدین بن ابی العز بن رشید ۔ وفات ۶۴۳ھ دمشق ۔ تصنیفات میں شرح شاطبیہ (شرح مفصل ہیں ۔

امام جزری محمد بن محمد بن محمد بن علی بن یوسف جزری ولادت شب شنبہ ۲۵ رمضان ۷۵۱ھ دمشق وفات چاشت جمعہ ۵ ربیع الاول ۸۳۳ھ شیراز ۔

تصنیفات (۱) النشر فی القراءات العشر دو جلدیں (۲) مختصر نشر تقریب

(۳) تحبیر التیسیر فی القراءات العشر (۴) طبقات القراء و تاریخہم کبریٰ و صغریٰ
(۵) شرح المصابیح - ۳، جلدیں (۶) غایۃ المہرۃ فی الزیادۃ علی العشرہ
(۷) طیبۃ النشر فی القراءات العشر (منظوم) (۸) الجوہرۃ فی النحو وغیرہا۔
(مفتاح السعادۃ و مصباح السیادہ فی موضوعات العلوم - احمد
بن مصطفیٰ طاش کبریٰ زادہ ج ۲ ص ۶ تا ۵۶)

نقشہ اختلاف قراءت

سورۃ النور پارہ ۱۸

قاری	(۱) نافع مدنی	(۲) ابن کثیر مکی	(۳) ابو عمرو بصری	(۴) ابن عامر شامی	(۵) عاصم کوفی	(۶) حمزہ کوفی	(۷) کسائی
راوی	۱- قالون	۱- بزّی	۱- دُوری	۱- ہشام	۱- شعبہ	۱- خلف	۱- ابوالحارث
راوی	۲- ورش	۲- قنبل	۲- سوسی	۲- ابن ذکوان	۲- حفص	۲- خلّاد	۲- دوری

نمبر شمار	کلمات (قراءت)	آیت	توضیح قراءت	اصحاب قراءت	ترجمہ
۱	فَرَّضْنٰهَا	۱	را مشدد	ابن کثیر مکی، ابو عمرو بصری	ہم نے اسے خوب فرض کیا
	فَرَضْنٰهَا	//	را مخفف	باقی قراء	ہم نے اسے فرض کیا
۲	تَذَكَّرُوْنَ	۱ و ۲۷	ذال مخفف	حفص، حمزہ، کسائی	تاکہ تم دھیان کرو
	تَذَّكَّرُوْنَ	//	ذال مشدد	باقی قراء	//
۳	رَاَفَةٌ	۲	ہمزہ مفتوحہ	ابن کثیر	رحم، ترس
	رَاْفَةٌ	//	ہمزہ ساکنہ	باقی قراء	//
	رَافَةٌ	//	الف	سوسی	//
۴	الْمُحْصِنٰتِ	۴ و ۲۳	صاد کو زیر	کسائی	پارسا عورتیں
	الْمُحْصَنٰتِ	//	صاد کو زبر	باقی قراء	//
۵	اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍ	۶	عین کو پیش	حمزہ، کسائی، حفص	(ایسے کسی کی گواہی) چار گواہیاں ہیں
	اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍ	//	عین کو زبر	باقی قراء	(ایسے کسی کی گواہی یہ) ہے کہ چار بار گواہیاں دے
۶	اَنْ لَعْنَةُ	۷	اَنْ بلا تشدید نون تا کو ضمہ	نافع	یہ کہ اللہ کی لعنت
	اَنَّ لَعْنَةَ	//	اَنَّ بنون مشدد تا کو فتحہ	باقی قراء	//

نمبر اختلاف	کلمات (قرارت)	آیت	توضیح قرارت	اصحاب قرارت	ترجمہ
۷	لَعْنَۃُ (وقف میں) لَعْنَتُ (//)	۷ //	تا کو ہا سے بدل کر تا کو ساکن کرکے	مکی، بصری، کسائی باقی قرار	یہ کہ اللہ کی لعنت //
۸	الخامسةَ الخامسةُ	۹ //	تا کو نصب تا کو رفع	حفص باقی قرار	پانچویں (یوں گواہی دے) پانچویں گواہی یہ کہ
۹	أَنْ غَضِبَ اللّٰهُ أَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ	۹ //	نْ مخفف، ضاد کو کسرہ ہا کو ضمہ نّ مشدد، ضاد کو فتحہ، ہا کو کسرہ	نافع باقی قرار	اللہ غضب کرے (اس پر) اللہ کا غضب (اس پر)
۱۰	لَا تحسِبوہ تحسِبونہ یحسِبہ لا تحسِبَنَّ (مذکورہ چہار کلمات)	۱۱ ۱۵ ۳۹ ۵۷	سین کو زیر // // // سین کو زبر	نافع، ابن کثیر مکی، ابو عمرو بصری // // // باقی قرار	اسے نہ سمجھو تم اسے سمجھتے ہو اسے سمجھتا ہے ہرگز نہ سمجھنا (ایضاً)
۱۱	لا یحسَبَنَّ لا تحسَبَنَّ	۵۷	یا کے ساتھ تا خطاب کے ساتھ	ابن عامر، حمزہ باقی قرار	ہرگز نہ سمجھے ہرگز نہ سمجھنا

نمبر شمار	کلمات (قرارت)	آیت	توضیع قرارت	اصحاب قرارت	ترجمہ
۱۲	اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ اِذْ تُلَقُّوْنَه	۱۵	تا مشدد تا مخفف	نافع، مکی، البصری باقی قرار	جب تم ایسی بات ایک دوسرے سے سنکر لاتے
۱۳	رَءُوْفٌ رَءُوْفٌ	۲۰	بغیر واو واو کے ساتھ	ابوعمرو، شعبہ، حمزہ، کسائی باقی قرار	مہربان 〃
۱۴	خُطُوٰت (دونوں جگہ) خُطْوٰتٌ	۲۱	طا کو پیش طا ساکن	قنبل، ابن عامر، حفص باقی قرار	قدموں 〃
۱۵	یوم یَشْهَدَ یوم تَشْهَدُ	۲۴ 〃	یا بذکر کے ساتھ تا بتانیث کے ساتھ	حمزہ، کسائی باقی قرار	ان پر گواہی دیں 〃
۱۶	بُیُوْت (جہاں بھی ہو) بِیُوْت	۲۲ و ۲۹ و ۳۶ و ۶۱	با کو پیش با کو زیر	ورش، ابوعمرو، حفص باقی قرار	گھروں 〃
۱۷	قُیِلَ (ماضی مجہول جہاں بھی ہو) قِیْلَ	۲۸	بالاشمام بلا اشمام	ہشام، کسائی باقی قرار	کہا گیا 〃

نمبر کلمات اختلاف	کلمات (قرارت)	آیت	توضیح قرارت	اصحاب قرآت	ترجمہ
۱۸	جُیُوبِهِنَّ	۳۱	جیم کو پیش	نافع، ابوعمرو، ہشام، عاصم	اپنے گریبانوں
	جِیُوبِهِنَّ	〃	جیم کو زیر	باقی قرار	〃
۱۹	غیرَ اُولی	۳۱	را کو زبر	ابن عامر، شعبہ	شہوت والوں کے علاوہ
	غیرِ اُولی	〃	را کو زیر	باقی قرار	جو شہوت والے نہ ہوں
۲۰	ایُّهُ المومنون	۳۱	ہا کو پیش	ابن عامر (بحالت وصل)	اے ایمان والو
	اَیُّهَ المومنون		ہا کو زبر	باقی قرار	〃
	ایہا (بحالت وقف)		ہا مع الف	ابوعمرو، کسائی	〃
	ایُّهْ 〃		ہ موقوفہ	باقی قرار	〃
۲۱	مُبَیِّنٰتٍ	۳۴ و ۴۶	یا کو زیر	ابن عامر، حفص، حمزہ، کسائی	صاف بیان کرنیوالی
	مُبَیَّنٰتٍ		یا کو زبر	باقی قرار	(آیتیں) روشن آیتیں
۲۲	دِرِّیٌ	۳۵	دال کو زیر، یا ساکن پھر ہمزہ	ابوعمرو، کسائی	موتی سا چمکتا
	دُرِّیٌّ		دال کو پیش، بغیر مدہ بجائے ہمزہ یا مشدد	نافع، ابن کثیر، ابن عامر، حفص	〃
	دُرِّیٌ		دال کو پیش، یا ساکن پھر ہمزہ	حمزہ، شعبہ	〃

نمبر کلمات قرآن	کلمات (قرارت)	آیت	توضیح قرارت	اصحاب قرارت	ترجمہ
۲۳	يُسَبَّحُ يُسَبِّحُ	۴۱	بصیغۂ مجہول۔ باکو زبر معروف باکو زیر	ابن عامر، شعبہ باقی قرار	اللہ کی تسبیح کی جاتی ہے اللہ کی تسبیح کرتے ہیں
۲۴	سَحَابُ ظُلُمٰتٍ سَحَابٌ ظُلُمٰتٍ سَحَابٌ ظُلُمٰتٌ	۴۰	با پر پیش بلا تنوین تا پر زیر مع تنوین۔ با پر پیش مع تنوین " با اور تا پر پیش مع تنوین	بزی قنبل باقی قرار	تاریکیوں کے بادل بادل۔ تاریکیاں بادل۔ تاریکیاں
۲۵	يُنْزِلُ يُنَزِّلُ	۴۳	باب افعال سے نون ساکن زا کو کسرہ بلا تشدید۔ تفعیل سے نون کو فتحہ زا کو کسرہ مع تشدید	مکی، بصری بقیہ قرار	اتارتا ہے اتارتا ہے دھوڑا تھوڑا
۲۶	خٰلِقُ كُلِّ دَآبَّةٍ خَلَقَ كُلَّ دَابَّة	۴۵	خا کے بعد الف۔ لام کو کسرہ۔ ق کو ضمہ کل کے لام کو کسرہ۔ خا کو فتحہ بلا الف، لام اور قاف کو فتحہ کل کے لام کو فتحہ	حمزہ، کسائی بقیہ قرار	(اللہ) زمین پر پر چلنے والے کا (پانی سے) بنانے والا (اللہ نے) زمین پر پر چلنے والا (پانی سے) بنایا
۲۷	سِراط صِراط صِراط	۴۶	سین سے بالاشمام۔ صاد کو قدرے زا کی بو دے کر پڑھنا صاد	قنبل خلف دیگر قرار	راستہ " "

نمبر کلمات اختلاف	کلمات (قراءت)	آیت	توضیح قرارت	اصحاب قرارت	ترجمہ
۲۸	وَيَتَّقِهِ وَيَتَّقْهِ وَيَتَّقِهْ وَيَتَّقِهِی	۵۲	قاف کو زیر، ہا کو زیر بلا صلہ۔ قاف ساکن، ہا کو زیر بلا صلہ قاف کو زیر، ہا ساکن قاف کو زیر، ہا کو زیر مع صلہ۔	قالون (بلا خلف)، ہشام (با خلف) حفص البصری و شعبہ بلا خلف، خلاد بالخلف۔ ورش، مکی، ابن ذکوان خلف، کسائی۔	اور اس سے ڈرے // // //
۲۹	فَإِنْ تَّوَلَّوْا فَإِنْ تَوَلَّوْا	۵۴	تا مشدد بلا تشدید	بزی (بحالت وصل) باقی قرار	پھر اگر تم منہ پھیرو //
۳۹	كَمَا اسْتُخْلِفَ كَمَا اسْتَخْلَفَ	۵۵	بصیغہ مجہول تا کو پیش لام کو زیر۔ (معروف) تا اور لام کو زبر	شعبہ باقی قرار	جیسے خلافت دی گئی اُن سے پہلوں کو۔ جیسے اس نے خلافت دی۔
۳۱	وَلَيُبْدِلَنَّهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ		با ساکن، دال مخفف با مفتوح، دال مشدد	ابن کثیر، شعبہ باقی قرار	اور وہ اُسے ضرور بدل دے گا۔ //
۳۲	ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ ثَلٰثَ عَوْرٰتٍ	۵۸	دوسری ثا کو رفع دوسری ثا کو نصب	نافع، مکی، البصری، شامی، حفص حمزہ، کسائی، شعبہ	یہ تمہارے لیے تین اوقات شرم ہیں تین شرم کے اوقات ہیں۔

[illegible]	کلمات (قراءت)	[illegible]	توضیح قرأت	اصحاب قراءت	ترجمہ
۳۳	بُيُوتِ اِمِّهَاتِكُمْ		ہمزہ اور میم دونوں کو زیر	ہمزہ بحالت وصل	اپنی ماؤں کے گھروں
	بیوتِ اِمَّھاتکم		ہمزہ کو زیر میم کو زبر	کسائی (〃)	〃
	بیوتِ اُمَّھاتکم		ہمزہ کو پیش میم کو زبر	ہمزہ و کسائی بحالت ابتدا باقی قراء بہر دو حالت	〃

پوری سورۂ نور کے اختلافات قراءت ہم نے پیش کر دیئے۔ نقشۂ اختلاف سے ظاہر ہے کہ یہ اختلافات صرف بعض حرکات و حروف یا طریق ادا سے متعلق ہیں۔ معانی میں ہرگز کوئی ایسی تبدیلی نہیں ہوتی جس سے کوئی حلال حرام یا کوئی حرام حلال ہو جائے۔ بلکہ آپ غور کریں۔ تو اکثر جگہ یہی واضح ہوگا کہ محض اعراب و ترکیب یا طریق ادا کا فرق ہے۔ جن سے مفہوم پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ بعض مقامات پر اگر کلمات کا فرق ہے تو بھی مقصود کلام پر کوئی حرف نہیں آتا۔ مثلاً مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ (روز جزا کا بادشاہ) مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ (روز جزا کا مالک) مالک اور بادشاہ دونوں خدا کے لئے صحیح، اور دونوں صفات پر اہل اسلام کا اعتقاد ہے۔ اُنزل (یکبارگی اترا) نُزِّل (تھوڑا تھوڑا اترا) قرآن کے بارے میں دونوں حق ہیں۔ لوح محفوظ سے آسمان دنیا کی طرف پورا قرآن یکبارگی اترا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر تیئیس سال کی مدت میں تھوڑا تھوڑا نازل ہوا۔ علاوہ ازیں انزل اور نزّل ایک دوسرے کی جگہ بھی استعمال ہوتے ہیں۔

فوائد اختلاف

کوئی سوچ سکتا ہے کہ آخر ان اختلافات میں کیا خوبی اور کیا حکمتیں تھیں کہ منسوخ نہ ہوئے بلکہ باقی رکھے گئے۔ ایسے حضرات کے لئے جواباً اور افادۃً لکھا جاتا ہے کہ ان اختلافات میں بھی بہت سے فوائد اور بہت سی حکمتیں ہیں۔ جن میں سے چند یہ ہیں۔

(۱) امت کے لئے اس میں بہت نرمی۔ سہولت اور آسانی ہے کہ ان مختلف طریقوں میں سے جس طریق پر کوئی چاہے قرآن کی تلاوت کرے ــــ اس کی نماز جائز ــــ اس کا مقصود حاصل ۔ اور اس کے لئے اجر ثابت۔

(۲) اگر کوئی شخص تمام طُرق کی قرارت کرے تو اس کا ثواب اس حیثیت سے بہت عظیم و کثیر کہ اس نے ان قرارتوں اور طریقوں کی تحقیق۔ لفظ۔ لفظ، حرف حرف حتیٰ کہ مدوں کی کثیر مقداروں اور اِمالوں کے فروق تک کے ضبط و حفظ اور ان سب کی مراعات میں بھرپور محنت صرف کی اور ان سب کی ادائیگی اور تلاوت سے شرف یاب ہوا۔ ظاہر ہے کہ محنت و عمل میں جس قدر زیادتی ہوگی ثواب میں بھی اضافہ ہوتا جائے گا۔ اِنّ اللہ لا یضیع اجر المحسنین (قرآن) بے شک اللہ نکوکاروں کا اجر ضائع نہیں فرماتا افضل العبادات احمزھا (حدیث) بہترین عبادت وہ جس میں مشقت زیادہ ہو۔

(۳) ان اختلافات کے باعث اہل علم و اجتہاد کے لئے معانی میں فکر و تدبر کی مزید راہیں کھلتی ہیں۔ ہر قرارت کے نظم کی عبارت، دلالت، اشارت، اور اقتضاء سے احکام و مسائل کے استنباط کا امکان پیدا ہوتا ہے۔ ہر کلمہ مختلف یا مختلف کلمات کی توجیہہ،

تعلیل اور ترجیح ظاہر کرنے پر تحقیقی و تدقیقی نظر کا موقع ملتا ہے۔ اور ان سب میں فکر و اجتہاد سے کام لے کر واقعۃً انہوں نے بے شمار شرعی احکام کا استخراج کیا جس سے امت کو اپنے مختلف شعبہ ہائے زندگی کے مسائل و احکام دستیاب ہوئے بہت سی آسانیاں بھی ملیں۔ اور ان مسائل و احکام پر عمل کر کے وہ اجر و ثواب کی مستحق ہوئی اور ہوتی ہے ان سب کا ثواب اصحاب اجتہاد و استنباط کو بھی ملتا ہے۔ ان کا ذاتی ثواب، علمی رفعت، امتیازی فضل و شرف، اور دوسرے عمومی فوائد کا حصول مزید برآں۔ واللہ ذو الفضل العظیم۔

(۴) پھر ان کثیر اختلافات اور ان کی بقا میں حفاظت ربانی کا اعجاز بھی نمایاں ہے کہ اس نے اپنی مقدس کتاب کو ان تمام وجوہ کثیرہ اور قراءات مختلفہ کے ساتھ اسی عالم رنگ و بو، اور اسی دنیائے متغیر میں ہر قسم کی تحریف اور تغیر و تبدل سے محفوظ رکھا۔

(۵) اس میں اس امت مرحومہ کے فضل و شرف اور عند اللہ اس کی عظمت و محبوبیت کا بھی اظہار ہے۔ کہ دیگر امتوں کو ایک ہی طرز و طریق پر کتابیں ملیں۔ اور یہ امت ان طرق کثیرہ سے بہرہ ور ہوئی۔

(۶) اگر قراءتوں کے تنوع پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ہر قراءت علیحدہ آیت کا حکم رکھتی ہے۔ مثلاً مَلِكِ اور مالك دونوں قراءتوں کے اعتبار سے مَلِكِ یوم الدین اور مٰلك یوم الدین گویا دو آیتیں ہیں۔ ایک سے ہمیں یہ علم حاصل ہوتا ہے کہ رب تعالیٰ کی صفت اور اس کا نام "بادشاہ روز جزا" اور دوسری سے اس کی ایک اور صفت "مالک روز جزا" معلوم ہوتی ہے۔ اسی لئے اصول فقہ میں یہ مسئلہ طے ہو چکا ہے کہ دو قراءتیں، دو آیتوں کا حکم رکھتی ہیں۔ اس طرح صرف ایک کلمہ میں اختلاف قراءت کے باعث ہمیں دو یا زیادہ حکم معلوم ہو جاتے ہیں جو الگ الگ بیان ہوتے تو دو یا زیادہ آیتوں کی ضرورت ہوتی۔ اور موجودہ صورت میں صرف کلمات کے اندر اختلافات قرأت کئی آیات کی ضرورت پوری کر

دیتے ہیں۔ لہٰذا اگر اختلاف قرأت کی بجائے علیحدہ علیحدہ قرأتیں الگ الگ آیتوں میں ہوتیں تو بہت زیادہ طول و اطناب ہوتا۔ صرف قرأتوں کے مختلف اور آیتوں کے متحد رہنے میں کمال ایجاز کا ظہور ہے کہ دیکھنے میں تو آیات مختصر ہیں مگر بلحاظ تعدد قرأت، معانی بہت زیادہ۔ اور ایک آیت کئی آیتوں کے مضامین پر مشتمل ہے۔ اس نوع کا کمال ایجاز بھی قرآن کریم کا عظیم اعجاز ہے جس کی مثال کسی اور کتاب میں نہیں مل سکتی۔

(۷) بعض مقامات میں ایک قرأت، دوسری قرأت کے اجمال کی تفسیر و تفصیل کر دیتی ہے۔ مثلاً ایک قرأت میں یَطۡهُرۡنَ تخفیف کے ساتھ ہے، دوسری میں یَطَّهَّرۡنَ تشدید کے ساتھ ہے۔ پہلی کا معنی وہ پاک ہو جائیں۔ دوسری کا معنی وہ خوب پاک ہو جائیں۔ دوسری قرأت پہلی قرأت کی تفسیر کر دیتی ہے۔ ایک قرأت میں ہے فامضوا الی ذکر اللہ دوسری میں فاسعوا الی ذکر اللہ۔ پہلی کا معنی (جب جمعہ کے دن نماز کی اذان ہو) تو خدا کے ذکر کی طرف چل پڑو۔ دوسری کا معنی اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو۔ پہلی قرأت سے دوسری کی تفسیر ہو گئی کہ مقصود یہ ہے کہ ذرا چستی کے ساتھ چل پڑو۔ دوڑنا مراد نہیں۔ (اتقان ج ا ص ۸۴ باضافہ تشریح و توضیح)

اختلاف قرأت میں علماء نے اور بھی حکمتیں بتائی ہیں۔ یہاں بطور نمونہ چند بیان کر دی گئیں۔ ان تفصیلات سے معلوم ہوا کہ[1]:

(۱) اختلاف قرأت سے اصل مفہوم و مقصود میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی بلکہ بیشتر مقامات میں تو ترجمہ پر بھی کوئی اثر نہیں پڑتا۔

---

[1] ہماری کتب اصول تفسیر میں اس کی ایک اور عمدہ توجیہ ہے اسے وہیں سے معلوم کریں یہاں بخوف طوالت ترک کی جاتی ہے۔

(۲) اختلاف قرأت کوئی عیب و نقص نہیں۔ بلکہ بہت سے فوائد حِکم۔ مصالح اور بے مثال محاسن پر مشتمل ہے۔

(۳) یہ کسی کی ایجاد و اختراع نہیں بلکہ خدا کی طرف سے نازل اور سرکار مہبط وحی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ اور قرآن کے دورۂ اخیرہ میں قائم و باقی اور روزِ رسالت سے اب تک بتواتر منقول ہے۔

جب حقیقت یہ ہے تو اختلاف قرأت کو خواہ مخواہ ایک زبردست اعتراض بنا کر پیش کرنا آخر کون سی حکمت پر مبنی ہے؟ کیا اس طرح کے بے مغز اعتراضات سے تورات و انجیل کی تحریفات پر کوئی پردہ پڑ سکتا ہے؟ صدیوں کے کھلے ہوئے جرائم بہر حال جرائم ہی رہیں گے۔ وہ عیوب و قبائح، قرآن پر اعتراض کر دینے سے محاسن و کمالات میں تبدیل نہیں ہو سکتے۔ نہ ہی ان کے خود کردہ جرائم اور قرآن کے ازلی و ابدی محاسن پر کوئی پردہ پڑ سکتا ہے۔ وھو الھادی الی سواء السّبیل

قرأت سبعہ پر اقتصار کیوں؟

اب یہ ایک سوال رہ جاتا ہے کہ جب ائمہ قرأت بہت تھے، جن میں بعض حضرات ائمہ سبعہ سے زیادہ جلیل القدر اور ان پر فائق ہیں۔ اور بعض حضرات ان کے ہم رتبہ ہیں پھر سات ہی ائمہ کی قرأتوں پر اقتصار کیوں ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ائمہ اور ان کے رُواۃ واقعتہً بہت تھے۔ مگر جب حوصلے پست ہو گئے تمام قرا اور ان کے بے شمار تلامذہ و رُواۃ سے اخذ روایت مشکل و دشوار ٹھہری تو لوگوں نے خط مصحف کے موافق قرأتوں میں سے صرف ان طُرق پر اقتصار کر لیا جن کا حفظ آسان ہو اور جن سے قرأتوں کا انضباط بھی ہو جائے یعنی اس طرح کہ ثابت شدہ قرأتوں میں سے کوئی چھوٹ نہ سکے۔ اس لئے ہر شہر سے ایک امام کو لے لیا۔ اور ان دوسری قرأتوں کی بھی روایت و قرأت نہ ترک کی

جوان کے علاوہ دیگر ائمہ قرأت کے نزدیک تھیں۔ جیسے امام یعقوب۔ امام ابوجعفر امام شیبہ وغیرہم کی قرأتیں

(اتقان ج ۱ ص ۸۳) ابوبکر بن العربی فرماتے ہیں:۔

ليست هذه السبعة متعينة للجواز حتى لا يجوز غيرها كقراءة ابي جعفر وشيبة والاعمش ونحوهم فان هولاء مثلهم او فوقهم (اتقان ج ۱ ص ۸۲)

ایسا نہیں کہ صرف یہی سات قرأتیں جائز ہیں، اور دوسری قرأتیں نہیں۔ جیسے ابوجعفر شیبہ، اعمش اور دوسرے ائمہ کی قرأتیں (ان کی قرأتیں کیوں کر جائز نہ ہوں گی جبکہ) یہ لوگ بھی ائمہ سبعہ کے ہم رتبہ یا ان سے بھی فائق ہیں۔

جس طرح کثرت ائمہ اور ان کی قرأتوں کے جواز کے بارے میں فرمایا گیا۔ یوں ہی ائمہ سبعہ کے رواۃ سے متعلق بھی اقوال ہیں۔ ابوحیان نے کہا:۔

هذا ابو عمرو بن العلاء اشتهر عنه سبعة عشر روايا ثم ساق اسماءهم۔ واقتصر في كتاب ابن مجاهد على اليزيدي واشتهر عن اليزيدي عشرة انفس فكيف يقتصر على السوسي والدوري وليس لهما مزية على غيرهما لان الجميع مشتركون في الضبط والاتقان والاشتراك في الاخذ۔ قال۔ ولا اعرف لهذا

(قراء سبعہ میں سے) یہ ابوعمرو بن العلاء ہیں جن سے سترہ رواۃ (ابوحیان نے ان کے نام بھی گنائے) مشہور ہیں اور کتاب ابن مجاہد میں صرف یزیدی کا نام ہے پھر یزیدی سے دس راوی شہرت یافتہ ہیں تو پھر سوسی و دوری پہ اقتصار کیوں ہوگا جب کہ انہیں دو مردوں پہ کوئی فضیلت نہیں۔ کیونکہ ضبط و اتقان اور شرکت تحصیل میں سب برابر ہیں۔ مجھے اس کا کوئی سبب سمجھ میں نہیں آتا

سبباً الا ما قضی من نقص العلم (اتقان ج ۱ ص ۸۲)

سوائے اس کے کہ علم کی کمی مقدر ہو چکی ہے۔

یوں ہی امام مکی، ابو العلاء ہمدانی، بغوی وغیرہم ائمہ قرأت کے ارشادات ہیں۔ اس کی صراحت کرنے والے آخری شخص امام تقی الدین سبکی ہیں۔ ان کے صاحبزادے فرماتے ہیں ہمارے والد سے ایک شخص نے قرات سبعہ کی اجازت مانگی تو انھوں نے فرمایا میں نے تمہیں قرات عشرہ کی اجازت دی۔ ایک سوال کے جواب میں فرمایا:۔

القراءات السبع التی اقتصر علیہا الشاطبی والثلاث التی ھی قراءۃ ابی جعفر ویعقوب وخلف معلومۃ من الدین بالضرورۃ وکل حرف انفرد بہ واحد من العشرۃ معلوم من الدین بالضرورۃ انہ منزل علی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لا یکابر فی شیء من ذلک الا جاہل۔

وہ سات قرأتیں جن پر شاطبی نے اقتصار کیا ہے اور وہ تین جو ابو جعفر، یعقوب اور خلف کی قراتیں ہیں یہ سب بالضرورۃ دین سے معلوم ہیں اور ہر وہ قرأت جو ائمہ عشرہ میں سے کسی ایک کے پاس ہو وہ بھی ضروریات دین سے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل شدہ ہے۔ ان میں سے کسی بات پر بھی کوئی جاہل ہی مکابرہ کرے گا۔

وہی علامہ سبکی کے فرزند منع الموانع میں فرماتے ہیں کہ ـــــ ہم نے جمع الجوامع میں یہ بتایا کہ ساتوں قراتیں متواتر ہیں۔ پھر شاذ اور صحیح کے بارے میں کہا کہ یہ عشرہ کے علاوہ ہیں۔ ہم نے یہ نہ کہا کہ عشرہ متواتر ہیں۔ اس لئے کہ سبعہ کے تواتر میں کوئی اختلاف نہیں لہذا ہم نے انہیں پہلے ذکر کیا پھر مقام

خلاف کو اسی پر منعطف کیا۔ مگر سبعہ کے علاوہ بقیہ تین قراءتوں کے نامتواتر ہونے کا قول انتہائی گیا گذرا ہے۔ کسی ایسے شخص سے وہ منقول نہیں جس کا قول دین میں قابل اعتبار ہو۔ پھر یہ تینوں قراءتیں رسم مصحف کے مخالف بھی تو نہیں۔ (اتقان ج ۱ ص ۸۴)

قسطلانی نے شافی میں فرمایا:۔

التمسك بقراءة سبعة من الائمة دون غيرهم ليس فيه اثر ولا سنة، وانما هو من جمع بعض المتأخرين، فانتشر واوهم انه لايجوز الزيادة على ذلك ولم يقل به احد

(اتقان ج ۱ ص ۸۴)

صرف سات ائمہ کی قراءتیں لینا دیگر ائمہ کی نہیں ـــ اس بارے میں نہ کوئی اثر ہے نہ سنت۔ یہ صرف بعض متاخرین کی تالیف ہے جس سے یہ انتشار و وہم پیدا ہوا کہ اس پر زیادتی جائز نہیں حالانکہ اس کا قائل کوئی نہیں۔

قراءتوں کا معیار قبول

علمائے اسلام نے کسی قرأت کے قبول کا معیار تین باتوں کو قرار دیا ہے۔

(۱) وہ قرأت زبان عربی کے مطابق ہو۔ خواہ نحو کے کسی بھی طریقہ پر ہو افصح، یا فصیح متفق علیہ ـــ یا فصیح مختلف فیہ جبکہ وہ قرأت ائمہ کے نزدیک شائع وذائع اور سند صحیح سے ثبوت کے باعث قبول یافتہ ہو

(۲) مصاحف عثمانیہ میں سے کسی ایک کے موافق ہو۔ اگرچہ موافقت محض احتمالاً ہو جیسے "ملك" کہ یہ مالک بھی پڑھا جا سکتا ہے۔ مٰلك الملك کے طور پر ـــ اور بعض جگہ تو احتمالاً نہیں بلکہ صراحۃً ہوتی ہے جیسے "تعلمون" کہ اسے "یعلمون" اور "تعلمون" دونوں پڑھ سکتے ہیں اس لئے کہ اس

وقت تک نقطے ایجاد نہ ہوئے تھے۔

(۳) وہ قرأت صحیح سند سے ثابت ہو۔

جب کسی قرأت میں یہ تینوں ارکان پائے جائیں تو وہ قرأت مقبول صحیح اور ناقابل انکار ہے خواہ ائمہ سبعہ وعشرہ سے مروی ہو یا دوسرے ائمہ مقبولین سے۔ اور اگر ان تین ارکان میں سے کوئی رکن فوت ہو تو وہ قرأت ضعیف شاذ، یا باطل کہی جائے گی۔ اگرچہ ائمہ سبعہ یا ان سے بھی بزرگ تر ائمہ کی طرف منسوب ہو (اتقان ج ۱ ص ۷۷ ملخصًا)

اس سے واضح ہوا کہ (۱) ہر ایسی قرأت جس کی روایت ائمہ سبعہ وعشرہ کے علاوہ سے ہو ضعیف وشاذ نہیں (۲) اور ہر وہ قرأت جو ائمہ سبعہ کی طرف منسوب ہو صحیح ومتواتر نہیں۔ معیار قبول پر پوری اترنا شرط ہے ــــ ہاں ائمہ سبعہ کی اکثر قرائتیں متواتر ہیں، بعض مشہور اور چند شاذ بھی ہیں۔ علمائے قرأت نے ان سب کی تحقیق وتنقیح کر دی ہے۔

اقسام قرأت

اسی لئے ائمہ نے قرأتوں کی پانچ قسمیں بتائی ہیں (۱) متواتر ــــ جسے ہر دور میں ایسی جماعت اور ایسے لوگوں نے روایت کیا ہو جن کا جھوٹ پر اتفاق کر لینا محال ٹھہرے۔ اکثر قرائتیں متواتر ہی ہیں

(۲) مشہور ــــ جس کی سند صحیح، عربی زبان اور رسم مصحف کے موافق قرا کے نزدیک شہرت یافتہ ہو، مگر درجۂ تواتر کو نہ پہنچتی ہو۔ ــــ اس کی مثال وہ قرائتیں ہیں، جن کے ائمہ سبعہ سے منقول ہونے میں طرق مختلف ہوں کسی راوی نے ذکر کیا ہو کسی نے نہیں ــــ فرش حروف میں اس کی مثالیں بکثرت ہیں۔

اس بارے میں مشہور تصانیف یہ ہیں۔ تیسیر للدانی قصیدۂ شاطبی

ادعیۃ النشر فی القراءات العشر لابن الجزری ۔تقریب النشر (لہ)

(۳) آحاد ـــــ جس کی سند صحیح ہو۔ مگر رسم مصحف یا زبان عربی کے مخالف ہو۔ یا اسے مشہور کی شہرت نصیب نہ ہو ـــــ ایسی قرأت قابل تلاوت نہیں۔

(۴) شاذ ـــــ جس کی سند صحیح نہ ہو۔

(۵) موضوع ـــــ جو بالکل بے اصل، گڑھی ہوئی ہو۔

(۶) مدرج ـــــ علامہ جلال الدین سیوطی نے اس کا اضافہ کیا ہے۔ اس سے مراد وہ عبارت ہے جو درمیان تلاوت بطور تفسیر آگئی ہو۔

(اتقان ج ا ص ۹، ملخصاً)

شیعہ اور قرآن!

مخالفین اسلام قرآن پر جہاں اور بہت

سے بے جا اعتراضات کرتے ہیں وہیں اختلاف شیعہ کو بھی حجت بنا کر پیش کرتے ہیں۔ اور
یہ حقیقت ہے کہ ان ہی کی بے باکیوں، گستاخیوں اور الزام تراشیوں نے منکرین اسلام
کو قرآن کے خلاف زہر افشانیوں کا حوصلہ دیا ہے۔ ـــــ اس لئے کہ ایک ذمہ دار
اور منصف مزاج شخص کی طرح صبر کے ساتھ ان کی باتیں بھی ذکر کرکے ان کی ان پر پوری
تنقید ضروری ہے۔

(۱) شیعوں کا مزاج یہ ہے کہ وہ ہر اس کام کی تحقیر کرتے ہیں جسے خلفائے ثلٰثہ
صدیق و فاروق و ذوالنورین یا ان صحابہ کرام نے انجام دیا ہو جن سے روافض
کو دشمنی ہے۔ گذشتہ اوراق میں آپ نے ملاحظہ کیا کہ صدیق اکبر کی قرآنی خدمت پر
یہ "بدعت" کا الزام عائد کرتے ہیں۔

اسی طرح یہ قرآن کو تحریف شدہ بھی کہتے ہیں۔ کلینی نے (جسے شیعوں میں وہ
درجہ دیا جاتا ہے جو اہل سنت میں امام بخاری کو حاصل ہے) ابوعبداللہ سے بروایت
ہشام بن سالم نقل کیا ہے کہ جو قرآن حضرت جبرئیل محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس
لائے اس میں سترہ ہزار آیتیں ہیں۔ جب کہ اہل سنت کے نزدیک قول مشہور یہ ہے کہ قرآن میں
کل چھ ہزار چھ سو سولہ (۶۶۱۶) آیات ہیں۔

ان ہی سے محمد بن نصر کی روایت نقل کی ہے۔ کہ سورہ لم یکن میں قریش کے

ستر آدمیوں کے نام مع ولدیت تھے۔ محمد بن جہم ہلالی وغیرہ کے واسطے سے ابوعبداللہ سے یہ روایت کی ہے کہ " ان امۃ ھی اربی من امۃ " کلام اللہ نہیں۔ بلکہ اس کی جگہ ائمۃ ھی ازکی من ائمتکم نازل ہوا ہے۔ ابن شہر آشوب مازندرانی نے اپنی تصنیف کتاب المثالب میں لکھا ہے کہ "سورۃ الولایۃ" پوری کی پوری قرآن سے حذف کر دی گئی اسی طرح سورۂ احزاب سے جامعین قرآن نے اہل بیت کے فضائل ساقط کر دئے۔ ورنہ یہ سورۂ انعام کے برابر تھی۔ یوں ہی لاتحزن ان اللہ معنا (ابوبکر غم نہ کرو، بے شک خدا ہمارے ساتھ ہے) سے پہلے لفظ ویلك (تمہیں خرابی ہو) تھا وہ ساقط کر دیا گیا۔ وقفوھم انھم مسئولون کے بعد عن ولایۃ علی تھا کفی اللہ المؤمنین القتال کے بعد بعلی بن ابی طالب تھا۔ وسیعلم الذین ظلموا کے بعد ال محمد تھا۔ سب حذف کر دیا گیا۔ سورہ الم نشرح میں وجعلنا علیا صھرك (اور ہم نے علی کو تمہارا داماد کیا) تھا۔ جس سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ اس میں حضرت علی کے داماد رسول ہونے کی تخصیص ہے۔ جس سے حضرت عثمان کے داماد رسول ہونے کی نفی ہوتی ہے۔ (تحفہ اثنا عشریہ مختلف مقامات)

مختصر تحفہ اثنا عشریہ (عربی) کے حاشیہ میں ہے ــــ حسین بن محمد نوری طبرسی نامی ایک طاغوت روافض نے اس بارے میں " فصل الخطاب فی اثبات تحریف کتاب رب الارباب " لکھی ہے۔ جو چار سو بڑے صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں روافض کے بڑے بڑے طاغوتوں سے تحریف قرآن کے دعوے پر سیکڑوں عبارتیں اور نقلیں درج ہیں۔ طبرسی ۱۲۹۲ھ میں " مشھد نجف علی " کے اندر اس کتاب کے گناہ تالیف کا مرتکب ہوا۔ ۱۲۹۸ھ میں یہ کتاب ایران سے شائع ہوئی۔ دار الفتح کی لائبریری میں اس کا ایک نسخہ ہے ــ منافقین روافض

تقیتہً اس کتاب سے اپنی برأت کا اظہار کرتے ہیں۔ لیکن اس اظہار برأت اور انکار تصنیف سے فائدہ کیا؟ جب کہ اپنی دوسری کتابوں میں اس موضوع پر عبارتوں اور نقلوں کے بوجھ ہزاروں سال سے لادے پھر رہے ہیں۔ ــــ وہی سب اس کتاب میں جمع کر دئے گئے ہیں۔ (ص ۳۰)

(۲) روافض قرآن کو اپنے ادلۂ اربعہ (کتاب، خبر، اجماع، عقل) میں سے ایک مانتے ہیں۔ مگر اس قرآن کو تحریف شدہ بتاتے ہیں۔ اور اس کے ثبوت میں موضوع (گڑھی ہوئی) روایات پیش کرتے ہیں۔ جن میں سے کچھ کا ذکر ہو گیا پھر اس کے ناقابل اعتبار ہونے کی دوسری وجہ یہ بتاتے ہیں کہ اس قرآن کے ناقلین بھی تو تورات و انجیل کے ناقلین کی طرح تھے۔ کیوں کہ ان میں بعض تو منافق تھے، جیسا اکابر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور بعض دین کے معاملہ میں مداہن، نرم اور چاپلوس تھے جیسے عام صحابہ جنہوں نے اکابر کی پیروی کی۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ

(۳) حد یہ ہے کہ خود بھی قرآن کا کوئی صحیح نسخہ پیش نہیں کرتے۔ بس یہ کہہ کر اپنے عوام کو تسلی دیتے رہتے ہیں کہ صحیح قرآن امام غائب کے ساتھ آئے گا گویا اس وقت پوری دنیا میں مشرق سے مغرب تک پھیلے ہوئے سارے قرآن غلط اور ناقابل عمل ہیں۔

تنقید اب سوال یہ ہے کہ اگر صحابہ کرام کا جمع کردہ مصحف غلط اور تحریف شدہ تھا تو شیر خدا حضرت علی مرتضیٰ نے اپنے زمانۂ خلافت میں صحیح قرآن کیوں نہیں پیش کیا۔ انہوں نے تو اسی قرآن کو صحیح مانا اسی کی تلاوت اور اسی پر عمل کیا۔ ان کے دور خلافت میں پوری دنیائے اسلام کے اندر وہی مصحف پڑھا، لکھا، سنا، سنایا جاتا۔ اسی پر اعتماد اور اس پر عمل ہوتا۔ حضرت شیر خدا نے کبھی بھی انکار نہیں کیا۔ بلکہ انہوں نے حضرت صدیق

اکبر اور حضرت عثمان ذوالنورین، دونوں حضرات کی برملا تائید کی۔ ان سے مروی حدیث گذر چکی۔ فرماتے ہیں:۔

اعظم الناس فی المصاحف اجرا ابوبکر۔ رحمۃ اللہ علی ابی بکر ھو اول من جمع کتاب اللہ (رواہ ابن ابی داود وغیرہ بسند حسن عن عبد خیر عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ)	مصاحف میں سب سے بڑا اجر حضرت ابوبکر کا ہے۔ ابوبکر پر اللہ کی رحمت ہو۔ وہ کتاب اللہ کے سب سے پہلے جامع ہیں۔

اور فرماتے ہیں:۔

لا تقولوا فی عثمان الاخیرا فو اللہ ما فعل الذی فعل فی المصاحف الا عن ملاً منا (رواہ ابن ابی داؤد بسند صحیح عن سوید بن غفلۃ عن علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم)	حضرت عثمان کے بارے میں خیر کے سوا نہ بولو۔ انہوں نے مصاحف کے معاملہ میں جو کچھ بھی کیا ہماری ایک جماعت کے اتفاق اور مشورے سے کیا۔

(۱) اب یہ "شیعانِ علی" ہی بتائیں کہ جب حضرت شیر خدا نے بھی کوئی دوسرا قرآن نہ پیش کیا۔ بلکہ مصحف عثمانی ہی کو صحیح و درست بتایا تو یہ (لوگ) ان کو کس "لقب" سے یاد کریں گے۔

(۲) روافض کا یہ عقیدہ خود اہل بیت کرام کے خلاف ہے۔ روایات شیعہ ہی سے ثابت ہے کہ تمام ائمہ اہل بیت اسی قرآن کی قرأت فرماتے۔ اسی سے استدلال، اسی سے استشہاد، اسی کی تفسیر۔ اور اسی پر عمل کرتے۔ امام حسن عسکری کی طرف منسوب تفسیر اسی

قرآن کی ہے۔ شیعہ اسے اپنے بچوں۔ خادموں، گھروالوں کو پڑھاتے ہیں۔ اور نماز میں اسی کی قرات کرتے کراتے ہیں۔ اسی لیے تو ان کے شیخ "ابن بابویہ" نے اپنی کتاب عقائد میں اس عقیدۂ تحریف کا انکار کردیا، اور اس سے بیزاری ظاہر کی۔

(۳) ذرا غور کریں کہ اس قرآن کی تحریف کیوں کر ہوسکے گی جسے ابتدائے نزول سے زمانۂ تدوین تک بچے، بوڑھے، جوان سب پڑھتے پڑھاتے سیکھتے سکھاتے۔ حفظ کرتے اور حفظ کراتے رہے ہوں۔ ہزارہا ہزار حفاظ بھی پیدا ہو گئے ہیں۔ ان میں اہل بیت کرام بھی ہیں، شیعان علی بھی اور محبان اہل بیت بھی۔ کیا سب کے سب اپنی بصارت و بصیرت اور اسلامی ضمیر کو کچل کر قرآن کے معاملے میں اتنے بزدل، نرم، اور سہل بن جائیں گے کہ حفظ اور علم ہوتے ہوئے بھی تحریف شدہ قرآن قبول کرلیں گے؟ ایک ایسا قرآن جس کی ہزاروں غیر منسوخ آیات حذف کردی گئی ہوں۔ اور کچھ کا کچھ بنا دیا گیا ہو؟ جب کہ دین کے معاملہ میں ان کے تصلّب اور حق گوئی کی جرأت بے باک کا بے مثال نمونہ، اور شان دار ریکارڈ یہ تھا کہ فاروق اعظم جیسے صاحب دبدبہ وحشمت خلیفہ کو برسر منبر معمولی آدمی بھی ٹوک دیا کرتا۔ پھر ان خلفائے برحق کا بھی عدیم المثال کردار یہ رہا ہے کہ قبول اصلاح سے انہیں کوئی ملال نہ ہوتا۔ بلکہ مسرت و خوشی ہوتی۔ اور اصلاح و تنقید سُن کر پکار اٹھتے الحمد للہ الذی جعل فی المسلمین من یسدّد اعوجاج عمر، خدا کا شکر ہے کہ اس نے مسلمانوں میں ایسے لوگوں کو کردیا جو عمر کی کجی درست کرتے رہیں۔

کیا یہ کسی سلیم الحواس شخص کے قیاس میں آنے والی بات ہے کہ معمولی لغزش و خطا پر تو صحابہ کی وہ شان دار جسارت اور تحریف قرآن جیسے جرم عظیم پر یہ بزدلی و مداہنت کی جنگ و حرب اور مقابلہ و مقاتلہ تو کجا چون و چرا بھی نہ کریں۔ کہیں سے کوئی صدائے احتجاج اور آوازۂ اصلاح و تردید بھی بلند نہ ہو؟ والعیاذ باللہ۔

(۴) اسلاف اسلام کے بارے میں منکرین اسلام نے بھی روافض جیسی بے اعتمادی کا اظہار نہ کیا۔ ایسے بے شمار غیر مسلم ہیں جو "قرآن" کو سچی کتاب، اور پیغمبر اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی احادیث کو قابل تقلید اور معیار صحت پر کامل مانتے ہیں۔ اور برملا اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ یہ صرف مسلمانوں کی خصوصیت ہے کہ ان کے دین کی اساسی کتابیں نہایت صحیح و مستحکم ہیں۔ ان کا قرآن بتواتر ہر زمانے میں ایسے عادل و متقی حضرات کی جماعت کثیرہ سے نقل ہوا جن کا جھوٹ پر اتفاق محال ہے۔ احادیث کی تنقیح کے لئے انہوں نے پانچ لاکھ آدمیوں کے حالات جمع کر رکھے ہیں۔ اور ہر راوی کا حسن و قبح پوری صفائی سے بیان کر دیا ہے جس کی روشنی میں ہر حدیث کی صحت۔ حسن، ضعف اور وضع کو بآسانی جانچا اور پرکھا جا سکتا ہے۔ یاد رہے کہ منکرین اسلام اسی قرآن کو حق کہتے ہیں جسے روافض "بیاض عثمانی" بتاتے ہیں۔ اور یہ اُن ہی صحاح ستہ وغیرہ کتب حدیث و کتب رجال کو صحیح و مستند مانتے ہیں جنہیں روافض غیر مستند اور بالکل ساقط الاعتبار گردانتے ہیں۔

افسوس کہ منکرین اسلام تو ان ذخائر اسلامی کے محاسن کا اعلان کریں، صحابہ و راویان حدیث کو معیار صحت و عدالت مانیں مگر یہ مدعیان اسلام ــــ ابتدأ اسلام سے لے کر اب تک تقریباً چودہ سو برس کی پوری امت اسلامیہ کو منافق، مداہن اور خارج از اسلام قرار دیں۔ یہ اپنے ہی باطن کا منصفانہ جائزہ لیتے تو سمجھ میں آجاتا کہ خلا اور کہیں نہیں بلکہ یہیں ہے۔

(۵) رب تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:۔

لا یاتیه الباطل من بین یدیه ولا من خلفه تنزیل من حکیم حمید، (حم سجدہ پ ۲۴ ع ۱۹)	باطل کو اس کی طرف راہ نہیں۔ اتارا ہوا ہے حکمت والے ستودہ صفات کا۔

انا نحن نزلنا الذکر وانا له — بے شک ہم نے اتارا ہے یہ قرآن اور
لحافظون۔ (حجر پ۱۴ ع ۱) — بے شک ہم خود اس کے نگہبان ہیں۔

وہ قرآن جس کا محافظ و نگہبان رب العلمین ہو بھلا اس میں کسی تحریف و تبدیل کو راہ مل سکے گی؟ وہ قرآن جو قیامت تک کی پوری دنیا کے لئے ذریعۂ رشد و ہدایت بن کر نازل ہوا اگر وہی محرّف اور ناقابل اعتبار ہو جائے تو معاذ اللہ مقصود تنزیل ہی فوت ہو جائے۔ یا للعجب! اگر قرآن کو زمانۂ امام غائب (ڈیڑھ دو ہزار صدیوں) تک ناقابل ہدایت و عمل ہی رہنا ہوتا تو پھر نازل ہی کیوں ہوتا؟ یا اگر قرآن کی حفاظت و تبلیغ امام غائب ہی کا کام ہوتا تو وہ بھی قرآن کے ساتھ ہی تشریف لاتے۔ تاکہ پوری امت اسلامیہ اپنے منبع ہدایت سے ہمکنار رہوتی اور ضلالت، گمراہی سے مامون رہتی۔

(۶) رب العلمین ارشاد فرماتا ہے:۔

یا ایھا الرسول بلغ ما انزل — اے رسول! پہنچا دو جو کچھ اترا
الیك من ربك وان لم تفعل — تمہیں تمہارے رب کی طرف سے
فما بلغت رسالته — اور ایسا نہ ہو تو تم نے اس کا کوئی
(مائدہ پ۶ ع ۱۴) — پیام نہ پہنچایا۔

یہ بتائیں کہ رسول اسلام علیہ التحیۃ والسلام نے کار تبلیغ کی تکمیل فرمائی یا نہیں؟ اگر ان کی تبلیغ مکمل نہیں ہوئی تو یقیناً دین اسلام ابھی ناقص ہے، روافض بھی اپنے کو دین اسلام کا متبع ضرور بتاتے ہیں تو یہ بھی ایک دین ناقص ہی کے متبع ٹھہرے اور اگر رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تبلیغ پوری ہو گئی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم امت تک پہنچ چکا۔ اس وقت کی امت کو بھی اور موجودہ امت کو بھی۔ ورنہ وہ تبلیغ قرآن کیسی جو صرف چند آدمیوں یا چند برسوں تک محدود ہو۔

بتائیں کہ اس تبلیغ سے فائدہ ہی کیا ہوا جب کہ قرآن آج تک اپنی اصل شکل میں دنیا کے سامنے نہ آیا۔ اور پوری دنیا گمراہی وجہل مرکب میں مبتلا ایک دوسری کتاب کو قرآن سمجھے عمل پیرا ہے۔

(۷) درحقیقت تحریف قرآن کا عقیدہ صحابۂ کرام سے عناد کے نتیجے میں اختیار کیا گیا۔ شیعوں کا مطمح نظر یہ تھا کہ خلفائے ثلثہ (صدیق، فاروق وذوالنورین) اور صحابہ کرام کے کارناموں کا اعتراف نہ کیا جائے۔ اور ان پر دیگر الزامات کی طرح تحریف قرآن کے بھی پے در پے الزامات عائد کر کے ان کی عظیم اور قدآور شخصیتوں کو مجروح کر دیا جائے۔ اسی طرح قرآن سے ثابت شدہ فضائل صحابہ اور اپنے مذہب کے خلاف تمام باتوں کا انکار کر دیا جائے۔ —— مگر ہوا یہ کہ ان کی عظیم شخصیتوں پر تو کوئی حرف نہ آیا۔ ان کی اپنی ہی خیر نہ رہی، منکر اسلام تک نے ان بزرگوں پر اعتماد، اور ان کے ساتھ اپنے حسن عقیدت کا اظہار کیا۔ اور منکرین قرآن (روافض) پر پوری دنیا میں لعنت ہو رہی ہے۔

کچھ عقلمند شیعی علما کو اس صورت حال کا احساس ہو گیا، اس لئے انہوں نے عقیدۂ تحریف کا انکار کر دیا۔ اور اس سے اپنی برأت ظاہر کی۔ ابن بابویہ کے بارے میں گزر چکا کہ یہ شیعوں کے عقیدۂ تحریف کا منکر تھا۔ ابوعلی فضل طبرسی شیعی نے کتاب "مجمع البیان فی تفسیر القرآن" میں اس عقیدے کا بھرپور رد کیا ہے۔ جو ان کی خبر گیری کے لئے کافی ہے لکھا ہے:-

اما الزیادة فیه مجمع	قرآن میں کچھ اضافہ ہونے کا دعویٰ
علی بطلانها، واما النقصان منه	اجماعی طور پر اور سب کے نزدیک
فقد دری جماعة من اصحابنا و	باطل ہے۔ رہا حذف وکمی کا دعویٰ تو
قوم من حشویة العامة، والصحیح	یہ ہمارے اصحاب شیعہ اور حشویہ عامہ

خلافه وهو الذي نصره المرتضى
واستوفى الكلام فيه غاية
الاستيفاء في جواب مسائل
الطرابلسيات وذكر في مواضع
أن العلم بصحة نقل القرآن
كالعلم بالبلدان والحوادث
الكبار والوقائع العظام والكتب
المشهورة واشعار العرب
المسطورة - فان العناية
اشتدت، والدواعي توفرت
على نقله وحراسته وبلغت
الى حد لم تبلغه فيما ذكرناه
لان القرآن معجزة النبوة و
ماخذ العلوم الشرعية و
الاحكام الدينية وعلماء
المسلمين قد بلغوا في حفظه
وحمايته الغاية، حتى عرفوا
كل شئ اختلف فيه من
اعرابه وقراءته وحروفه
وآياته فكيف يجوز ان يكون
مغيرا او منقوصا مع العناية

کی ایک جماعت سے منقول ہے۔ مگر
صحیح یہ ہے کہ قرآن میں حذف وکمی بھی نہ
ہوئی۔ مرتضیٰ (مشہور و مستند شیعی عالم)
نے اسی کی تائید کی ہے۔ اور مسائل
طبرسیات کے جواب میں اس پر بھرپور کلام
کیا ہے اور متعدد مقامات پر ذکر کیا ہے
کہ نقل قرآن کی صحت اسی طرح یقینی
ہے جیسے معروف شہروں (مکہ۔ مدینہ
بغداد۔ لندن وغیرہا) کا ثبوت بڑے بڑے
واقعات وحوادث وطوفان نوح وغیرہ)
کا ظہور۔ مشہور کتابوں اور عرب کے
تحریر شدہ شعروں کا وجود یقینی ہے
قرآن کے ساتھ اعتنا بہت زیادہ اس
کی نقل و حفاظت کے اسباب فراواں
اور اس حد کو پہنچے ہوئے تھے۔ جہاں
تک مذکورہ چیزوں میں نہ تھے اس لئے
کہ قرآن نبوت کا معجزہ۔ اور علوم شرعیہ
واحکام دینیہ کا ماخذ ہے۔ مسلمانوں کے
علماء اس کی حفاظت وصیانت کی آخری
حد کو پہنچے یہاں تک کہ اس کے اعراب
قرات حروف، آیات سب کے اختلافات

الصدقة والضبط الشديد
قال ايضا ان العلم بتفسير
القران وابعاضه في صحة
نقله كالعلم بجملته وجرى
ذلك مجرى ما علم ضرورة من
الكتب المصنفة ككتاب سيبويه
والمزني فان اهل العناية
بهذا الشان يعلمون من
تفصيلها ما يعلمونه من
جملتها حتى لو ان مدخلا
ادخل في كتاب سيبويه بابا في
النحو ليس من الكتاب لعرف و
علم وميز انه ملحق، وانه
ليس من اصل الكتاب. وكذا
القول في كتاب المزني. ومعلوم
ان العناية بنقل القران وضبطه
اضبط من العناية بضبط كتاب
سيبويه ودواوين الشعراء و
ذكر ان من خالف في ذلك من
الامامية والحشوية لا يعتد
بخلافهم ان الخلاف في ذلك

بھی دریافت کئے۔ مگر یہ کیونکر ممکن
ہے۔ کہ اتنے پرخلوص اہتمام اور ضبط
شدید کے باوجود قرآن میں کوئی تبدیلی
یا کمی واقع ہو۔ مرتضیٰ نے یہ بھی کہا ہے
کہ قرآن کی تفسیر اور اس کے اجزاء
کے نقل کی صحت بھی اسی طرح یقینی
ہے جس طرح مجموعے کی صحت یقینی ہے
اور یہ ایسے ہی ہے جیسے تصنیف شدہ
کتابوں کے بارے میں ضروری طور پر
معلوم ہے۔ مثلاً سیبویہ اور مزنی کی کتاب
اس فن سے شغف رکھنے والے ان کی
تفصیلات بھی اسی طرح جانتے ہیں جیسے
مجموعے کے متعلق جانتے ہیں یہاں تک کہ
سیبویہ کی کتاب میں اگر کوئی شخص نحو کا کوئی ایسا باب
داخل کر دے جو در اصل کتاب کا نہ ہو
تو وہ (داخل شدہ باب) پہچان میں آ
جائے گا۔ اور معلوم ہو جائے گا کہ اس
کا وزن الحاقی ہے۔ اصل کتاب کا نہیں
یہی گفتگو کتاب المزنی کے متعلق بھی ہوگی۔ جب
ان سب کا یہ حال ہے تو قرآن کے
نقل و ضبط کا اہتمام تو سیبویہ کی کتاب

مضاف الی قوم من اصحاب الحدیث نقلوا اخبارا ضعیفۃ ظنوا صحتھا لا یرجع بمثلھا عن المعلوم المقطوع علی صحتہ۔

(مجمع البیان فی تفسیر القرآن از ابوعلی فضل بن حسن بن فضل طبرسی مشہدی معروف بہ طبرسی کبیر۔ ۵۴۸ھ۔ الفن الخامس فی اشیاء من علوم القرآن۔ ملخصاً ج ۱ ص ۵ مطبوعہ کارخانہ کربلائی محمد قلی و کربلائی محمد حسن تہران، ایران۔

اور شعرا کے دواوین (شعری مجموعوں) کے ضبط و حفظ سے کہیں زیادہ ہے۔ مرتضی نے یہ بھی ذکر کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے میں قرآن کی جمع و تالیف اسی طرح تھی جیسے اب ہے۔

یہ بھی بتایا کہ امامیہ اور حشویہ کے جو لوگ اس کے مخالف ہیں ان کے اختلاف کا کوئی اعتبار نہیں۔ کیونکہ اس اختلاف کا اصل تعلق چند راویان حدیث سے ہے۔ جنہوں نے ضعیف حدیثیں صحیح گمان کر کے نقل کر دیں۔ اس طرح کی چیزوں کے باعث یقینی اور قطعی الصحۃ امر (قرآن کا ہر نقص و اضافہ سے محفوظ ہونا) سے رجوع نہیں کیا جا سکتا۔

.. ..

.. ..

.. ..

.. ..

اس حوالے سے چند امور معلوم ہوئے:۔

۱۔ قرآن میں کسی اضافہ کا دعویٰ شیعہ و اہلسنت سب کے نزدیک (بالاجماع) باطل ہے۔

۲۔ شیعوں کے فرقہ امامیہ کا مذہب ہے کہ قرآن میں حذف و کمی ہوئی ہے۔ حشویہ۔ (ظاہر نصوص پر عمل کرنے والے محدثین) کو بھی اس میں شامل کیا ہے۔ مگر یہ صحیح نہیں۔ ان کا تعلق صرف ان روایات کی نقل سے ہے جن میں کچھ ایسے

کلمات کا ذکر ہے جو قرآن میں نہیں۔ پہلے کسی نے انہیں جزو قرآن بتایا تھا مگر شاذ، خلاف اجماع، یا قرآن کے دورۂ اخیرہ میں منسوخ ہونے کے باعث وہ قرآن نہ ٹھہرے۔ یا ان کا ثبوت احاد سے اور غیر قطعی ہے۔ اس لئے ان کی کتابت و قراءت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بہرحال حشویہ ان کلمات کی قرآنیت اور قرآن میں حذف دکمی کے قائل نہیں۔

۳۔ قرآن میں حذف دکمی کا دعویٰ بھی باطل ہے۔

۴۔ نقل قرآن کی صحت دیگر متواترات عالم کی طرح بالکل یقینی ہے۔

۵۔ قرآن کی حفاظت اور ضبط و صحت کا حد درجہ اہتمام کیا گیا ہے۔ جو اس کی صحت اور حذف و اضافہ سے پاک ہونے کی کافی دلیل ہے۔

۶۔ قرآن میں کوئی حذف و اضافہ یا تبدیلی نہیں۔ یہی صحیح ہے۔ جو لوگ اس کے مخالف ہیں ان کی مخالفت کا کوئی اعتبار نہیں۔

مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

مآخذ

۱۔ قرآن کریم۔

۲۔ کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن، ۱۳۴۰ھ امام احمد رضا قادری بریلوی ولادت ۱۲۷۲ھ/ وفات ۱۳۴۰ھ۔

۳۔ جامع البیان فی تفسیر القرآن۔ ابوجعفر محمد بن جریر طبری ۲۲۴ھ/ ۳۱۰ھ المطبعۃ المیمنیہ مصر ۱۳۲۱ھ

۴۔ مفاتیح الغیب (تفسیر کبیر) امام فخرالدین محمد بن عمر رازی ۵۴۴ھ/ ۶۰۶ھ المطبعۃ البہیہ مصر طبع اول ۱۳۵۳ھ

۵۔ لباب التاویل فی معانی التنزیل علاؤالدین علی بن محمد بغدادی معروف بہ خازن ۶۷۸/ ۷۴۱ھ مطبعۃ الاستقامہ قاہرہ ۱۳۷۴ھ

۶۔ مدارک التنزیل وحقائق التاویل۔ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود نسفی ۷۱۰ھ (برہامش خازن)

۷۔ الوکلیل علی مدارک التنزیل۔ مولانا عبدالحق الٰہ آبادی مہاجر مکی/ ۱۳۳۳ھ اکلیل المطابع رسڑا بلیا۔ یوپی ۱۳۲۳ھ

۸۔ الدرالمنثور فی التفسیر بالماثور۔ جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر سیوطی ۸۴۹ھ/ ۹۱۱ھ المطبعۃ المیمنیہ مصر ۱۳۱۴ھ

۹۔ روح البیان۔ علامہ اسمٰعیل حقی۔ ۱۱۳۷ھ۔ المطبعۃ العثمانیہ۔ استنبول ترکی ۱۹۲۶ء۔

۱۰۔ رسالہ تفسیر لقد جاءکم۔ ملا علی قاری بن سلطان محمد ہروی۔ ۱۰۱۴ھ مطبوعہ مع اکلیل۔

۱۱۔ خزائن العرفان فی تفسیر القرآن۔ صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی/ ۱۳۶۷ھ

۱۲۔ تفسیر نعیمی اول مفتی احمد یار خان نعیمی۔ ۱۳۲۴ھ/۱۳۹۱ھ مکتبہ الحبیب الہ آباد
۱۳۔ مجمع البیان فی تفسیر القرآن۔ ابو علی فضل بن حسن طبرسی شیعی۔ /۵۴۸ھ۔ دار الخلافہ تہران۔
۱۴۔ الاتقان فی علوم القرآن۔ جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر سیوطی۔ المطبعۃ المیمنیہ مصر ۱۳۱۷ھ
۱۵۔ تیسیر الطبع فی اجرا المبتع مولانا قاری محمد حسین اشرفی مالیگانوی۔ رحیمی پریس بمبئی ۱۳۹۱ھ
۱۶ مسند امام احمد بن حنبل شیبانی۔ ۱۶۴ھ/۲۴۱ھ۔ المطبعۃ الحیدریہ بمبئی ۱۳۰۸ھ
۱۷۔ صحیح بخاری ابو عبداللہ بن محمد اسمٰعیل بخاری۔ ۱۹۴ھ/۲۵۶ھ۔ اصح المطابع دہلی۔
۱۸۔ صحیح مسلم ابو الحسین مسلم بن حجاج قشیری۔ ۲۰۴ھ/۲۶۱ھ۔ اصح المطابع دہلی ۱۳۴۹ھ
۱۹۔ جامع ترمذی۔ ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی۔ ۲۰۹ھ/۲۷۹ھ۔ مطبع مجتبائی دہلی۔
۲۰۔ سنن ابو داؤد۔ ابو داؤد سلیمان بن اشعث سجستانی۔ ولادت ۲۰۲ھ/وفات ۲۷۵ھ
المطبعۃ التازیہ مصر ۱۳۴۸ھ
۲۱۔ سنن نسائی (المجتبیٰ) ابو عبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی۔ ۲۱۵ھ/۳۰۳ھ مجتبائی دہلی ۱۳۳۵ھ
۲۲۔ سنن ابن ماجہ۔ ابو عبداللہ محمد بن یزید بن ماجہ قزوینی۔ ۲۰۹ھ/۲۷۳ھ
مطبع نظامی دہلی ۱۲۸۳ھ
۲۳ مشکل الآثار۔ امام طحاوی ابو جعفر احمد بن محمد بن سلامہ ازدی مصری حنفی۔ ۲۳۹ھ/۳۲۱ھ
دائرۃ المعارف النظامیہ حیدرآباد۔ طبع اول ۱۳۳۳ھ
۲۴۔ المستدرک علی الصحیحین۔ ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری۔ ۳۲۱ھ/۴۰۵ھ
دائرۃ المعارف حیدرآباد ۱۳۴۱ھ
۲۵۔ الترغیب والترہیب۔ زکی الدین عبدالعظیم بن عبدالقوی منذری۔ ۵۸۱ھ/۶۵۶ھ
مکتبہ الجمہوریۃ العربیہ مصر ۱۳۹۰ھ
۲۶۔ مشکوٰۃ المصابیح۔ ولی الدین محمد بن عبداللہ خطیب تبریزی تالیف ۷۳۷ھ
اصح المطابع دہلی۔

۲۷۔ کنز العمال وسنن الاقوال والافعال (ترتیب ابوابی لکتب جلال الدین السیوطی۔
الجامع الصغیر و زوائدہ علاؤالدین علی المتقی
بن حسام الدین ہندی برہان پوری۔ ۹۷۵ھ۔ دائرۃ المعارف حیدر آباد ۱۳۱۲ھ

۲۸۔ المنہاج شرح مسلم ابوزکریا یحییٰ بن شرف نووی۔ ۶۳۱ھ/۶۷۶ھ۔ اصح المطابع دہلی ۱۳۴۹ھ

۲۹۔ فتح الباری شرح بخاری۔ ابوالفضل احمد بن علی معروف بہ ابن حجر عسقلانی۔ ۷۷۳ھ/۸۵۲ھ
المطبعۃ الکبریٰ المیریہ۔ بولاق۔ مصر طبع اول ۱۳۰۱ھ

۳۰۔ عمدۃ القاری شرح بخاری۔ بدرالدین محمود بن احمد عینی ۷۶۲/۸۵۵ھ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر

۳۱۔ ارشاد الساری شرح بخاری۔ شہاب الدین احمد بن محمد خطیب قسطلانی۔ ۹۲۳ھ
مطبع نول کشور کانپور ۱۲۸۵ھ

۳۲۔ مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح۔ ملا علی قاری بن سلطان محمد ہروی۔ ۱۰۱۴ھ
اصح المطابع بمبئی

۳۳۔ اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ۔ شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی ۹۵۸/۱۰۵۲ھ
مطبع تیجکمار لکھنؤ۔ طبع نہم ۱۹۶۳ء

۳۴۔ مدارج النبوۃ۔ شاہ عبدالحق محدث دہلوی ۹۵۸ھ/۱۰۵۲ھ مطبع نولکشور لکھنؤ
طبع سوم ۱۹۱۴ء

۳۵۔ شرح شفا۔ ملا علی قاری ہروی۔ ۱۰۱۴ھ المطبعۃ العثمانیہ استنبول ترکی ۱۳۱۹ھ

۳۶۔ الاستیعاب فی معرفت الاصحاب۔ ابوعمر یوسف بن عبداللہ معروف بہ ابن
عبدالبر قرطبی۔ ۳۶۸ھ/۴۶۳ھ دائرۃ المعارف حیدر آباد۔ طبع دوم ۱۳۳۶ھ

۳۷۔ الاصابہ فی تمییز الصحابہ۔ ابوالفضل احمد بن علی الشہیر بابن حجر العسقلانی۔ ۷۷۳ھ/۸۵۲ھ
مطبع سعادت مصر طبع اول ۱۳۲۸ھ

۳۸۔ اُسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ۔ ابن اثیر علی بن جزری۔ ۵۵۵ھ/۶۳۰ھ۔ الشعب قاہرہ ۱۳۹۰ھ

۳۹۔ اکمال فی اسماء الرجال۔ صاحب مشکوٰۃ خطیب تبریزی۔ تالیف ۷۴۰ھ مطبوعہ مع مشکوٰۃ

۴۰۔ مفتاح السعادہ و مصباح السیادہ فی موضوعات العلوم۔ احمد بن مصطفےٰ طاش کبری زادہ ۹۶۲ھ دار الکتب الحدیثہ قاہرہ ۱۹۲۸ء مطبعۃ الاستقلال قاہرہ

۴۱۔ الدر المختار فی شرح تنویر الابصار۔ علاء الدین محمد بن علی حصکفی۔ ۱۰۲۵ھ/۱۰۸۸ھ نول کشور لاہور ۱۳۰۵ھ

۴۲۔ العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ ج ۲۔ امام احمد رضا قادری بریلوی کتب خانہ سمنانی میرٹھ ۱۳۸۷ھ

۴۳۔ جمع القرآن و بم عزوہ لعثمان (۱۳۲۲ھ) امام احمد رضا بریلوی۔ انجمن طلبائے فیض الرسول براؤں شریف ۱۳۹۸ھ

۴۴۔ مسلّم الثبوت علامہ محب اللہ بن عبد الشکور بہاری ۱۱۱۹ھ/ مطبع مجیدی کانپور

۴۵۔ فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت۔ بحر العلوم مولانا عبد العلی فرنگی محلی ۱۱۴۴ھ/۱۲۲۵ھ نولکشور لکھنؤ ۱۲۹۵ھ

۴۶۔ نور الانوار فی شرح المنار شیخ احمد معروف بہ ملا جیون علیہ الرحمہ۔ ۱۰۴۸/۱۱۳۰ھ مطبع مجیدی کانپور ۱۳۴۳ھ

۴۷۔ تحفہ اثنا عشریہ (فارسی) شاہ عبد العزیز محدث دہلوی۔ ۱۱۵۹ھ/۱۲۳۹ھ مطبع حسنی دہلی ۱۲۷۱ھ

۴۸۔ مختصر تحفہ اثنا عشریہ (عربی ترجمہ) علام محمد بن محی الدین آلمی۔ مکتبۃ الشیق۔ استنبول ترکی ۱۳۹۶ھ

۴۹۔ شرح کافیہ شیخ رضی۔ محمد بن حسن استرآبادی مطبع نولکشور لکھنؤ۔

۵۰۔ دائرۃ معارف القرن العشرین۔ محمد فرید وجدی۔ دار المعرفۃ بیروت۔ لبنان طبع سوم ۱۹۷۱ء

۵۱۔ شرح الصدور فی احوال الموتی والقبور۔ جلال الدین عبد الرحمٰن بن ابی بکر سیوطی۔ ۹۱۱ھ مطبوعہ مصر

وشاح الجید فی تحلیل معانقۃ العید

۱۲ ھ ۱۳

المعروف

معانقۂ عید

تصنیف

اعلحضرت امام اہل سنت

احمد رضا خاں

بریلوی رحمۃ اللہ علیہ

ترتیب و تحشیہ

مولانا محمد احمد اعظمی مصباحی

ناشر

ادارہ تصنیفات امام احمد رضا

اخوند مسجد نیو نہام روڈ کھارادر۔ کراچی ۲

زیر طبع کتب

(۱) فقیہہ اسلام :۔ ڈاکٹر حسن رضا خان

(۲) تعارف امام احمد رضا :۔ از صوفی محمد اکرم

(۳) عورتوں کی مزارات پر حاضری :۔ از اعلیٰ حضرت بریلوی علیہ الرحمۃ

(۴) سوانح امام احمد رضا :۔ از مولانا بدرالدین قادری

(۵) فتاویٰ مصطفویہ (حصہ دوم) از مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ

(۶) سیاہ خضاب حرام ہے :۔ از اعلیٰ حضرت بریلوی

ادارہ تصنیفات امام احمد رضا کراچی

العطايا الرضویہ فی المسائل الشرعیہ

زیر طبع

فقیہِ اسلام

ڈاکٹر حسن رضا اعظمی۔ ایم اے۔ پی ایچ۔ ڈی

ادارۂ تصنیفات امام احمد رضا ۔ کراچی

العطایا الرضویہ فی المسائل الشرعیہ

زیر طبع

فقیہ اسلام

ڈاکٹر حسن رضا اعظمی ۔ ایم اے ۔ پی ایچ ۔ ڈی

ادارہ تصنیفات امام احمد رضا ○ کراچی

تدوین قرآن

مولانا محمد احمد مصباحی اعظمی

ادارہ تصنیفات امام احمد رضا کراچی